ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

جاہلیت کی صحیح معرفت ضروری ہے

''مسلمان کو اسلام کے خلاف کرنے اور دشمنوں کا آلہ کار بننے سے ایسی وحشت ہونی چاہیے کہ اگر خواب میں بھی کوئی واقعہ ایسا دیکھے تو اس کے منہ سے چیخ نکل جائے اور وہ توبہ اور استغفار کرے، جاہلیت سے صرف جذباتی نفرت ہی کافی نہیں، مسلمان کے لیے جاہلیت کی صحیح معرفت ضروری ہے، وہ کبھی اس کے بارے میں دھوکہ نہ کھائے، اگر جاہلیت غلاف کعبہ اوڑھ کر اور قرآن مجید ہاتھ میں لے کر آئے، جب بھی وہ لاحول پڑھے اور اس سے پناہ مانگے، وہ کسی بھیس میں اس کے سامنے آئے تو وہ اس کو پہچان جائے۔''

مفکر اسلام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي

دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

December 2021

Rs. 15/-

کامیاب شخص کون؟

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

''دو شخص ہیں، ایک شخص پختہ حویلی میں رہتا ہے، عیش وآرام سے زندگی بسر کرتا ہے، جلسوں میں تقریریں زور وشور سے کرتا ہے، ہر ''قومی'' تحریک میں آگے آگے رہتا ہے، بڑے بڑے چندے دیتا اور دلواتا ہے، اخبارات میں مضمون اچھے اچھے لکھتا ہے، تقریر اور تحریر دونوں پر قدرت رکھتا ہے، شہر کے بڑے اور عزت دار لوگوں میں اس کا شمار ہوتا ہے، دوسرا شخص ہے جو کچے مکان یا جھونپڑی میں رہتا ہے، اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتا ہے، روزے پابندی کے ساتھ رکھتا ہے، نماز با جماعت ناغہ نہیں کرتا، پڑوسیوں اور محلّہ والوں کا سودا سلف خود لا دیتا ہے، آمدنی بہت تھوڑی رکھتا ہے، ایک چھوٹی سی دکان ہے، بال بچوں کے ساتھ بمشکل ہی گزر کر پاتا ہے، اس کا شمار بستی کے ادنیٰ لوگوں میں ہے، دنیا نے اپنا فیصلہ دونوں شخصوں کے بارے میں صادر کر دیا، آپ کو بھی اس فیصلہ سے اتفاق ہے؟ آپ بھی سوچنے سمجھنے کے بعد یہی رائے رکھتے ہیں؟

پہلا شخص ''کرتا'' کم ہے اور ''کہتا'' زیادہ ہے، دوسرا ''کہتا'' کم ہے اور ''کرتا'' زیادہ، پہلے شخص کی نظر ''عزت'' پر ہے اور دوسرے کی نظر ''خدمت'' پر، پہلا ناموری کا بھوکا ہے، دوسرا ثواب آخرت کا، پہلے کو تلاش اس کی ہے کہ کن کن اخبارات میں اس کی تعریف چھپی؟ دوسرے کو فکر اس کی ہے کہ داہنی طرف کے فرشتہ نے نامہ اعمال میں نیکیاں کتنی لکھیں؟ ایک ''اپنے'' کو بڑھا رہا ہے، دوسرا ''اپنے'' کو مٹا رہا ہے، ایک نے اپنی زندگی کا سہارا اُن کو بنا رکھا ہے جو خود مٹ جانے والے ہیں، دوسرے نے اپنی لو اس سے لگا رکھی ہے جسے کبھی فنا نہیں، ایک کی منزل مقصود جاہ وشہرت ہے اور دوسرے کی گم نامی وبے نشانی، اللہ کے دربار میں ان دونوں میں زیادہ مقبول کون ہوسکتا ہے؟ اپنے دل میں خود سوچئے اور فیصلہ کیجیے کہ اللہ کے ہاں مقبولیت پیدا کرنے والی کون سی چیزیں ہوسکتی ہیں، پر تکلف لباس؟ لذیذ غذائیں؟ عمدہ کوٹھیاں؟ اعلیٰ سامان آرائش؟ نمائشی چندے؟ رسمی جلسے؟ بناوٹی تقریریں اور تحریریں؟ یا اس کے برعکس زندگی کی سادگی، دل کی شکستگی، ایثار وخدمت گزاری، انکسار وخاکساری، عاجزی وفروتنی، صبر وقناعت، زہد وعبادت، تقویٰ وطہارت؟

آپ سے پہلا سوال یہ ہوگا کہ آپ نے جائز وحلال ذریعوں سے خود اپنی، اپنی بیوی بچوں کی، اپنے بوڑھے ماں باپ کی، اپنے کنبہ کے یتیموں کی، اپنے خاندان کے ضعیفوں کی، اپنے پڑوس کے ناداروں کی، کس حد تک خبر گیری کی؟ یا یہ ہوگا کہ آپ نے پبلک جلسوں میں سینکڑوں ہزاروں کے مجمع میں اپنے نام کے آگے ایک بڑا چندہ لکھوا کر اپنی دریا دلی کی کس حد تک نمائش کی؟ آپ پر سب سے مقدم خود اپنے نفس کی اصلاح اور اپنے سے براہ راست اور قریبی تعلق رکھنے والوں کی اصلاح ہے یا آپ کو قدرت نے ساری قوم وملک کی اصلاح کا ٹھیکیدار اور آل انڈیا لیڈر بنا کر پیدا کیا ہے؟''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۳ — دسمبر ۲۰۲۱ء - جمادی الاولی ۱۴۴۳ھ — شمارہ: ۱۱

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

سمجھدار انسان

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(سمجھدار شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے اور ناتواں شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کا تابع کرلے اور اللہ سے امیدیں باندھے)

(سنن الترمذی: ۲٦٤٧)

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 — E-Mail: markazulimam@gmail.com — سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

...اپنے جہاں سے بے خبر (اداریہ).....۳

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

روشنی کا مینار.....۴

.....مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

آخرت کی کھیتی.....۶

.....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

سیاسی حکمت عملی کی ضرورت.....۸

.....مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

سچائی کیا ہے؟.....۱۰

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

تلاوت قرآن اور اس کے آداب.....۱۲

.....عبدالسبحان ناخدا ندوی

جانوروں کی زکوٰۃ.....۱۴

.....مفتی راشد حسین ندوی

رجوع الی اللہ.....۱۶

.....محمد طارق بدایونی

ابوعبداللہ البتانی (Astronomer).....۱۷

زہد وقناعت کی اعلیٰ مثال.....۱۸

.....محمد ارمغان بدایونی ندوی

تہذیب اسلامی کی عالمی تشکیل.....۱۹

.....محمد نفیس خاں ندوی

غلامی اس کی کریں تاج وسلطنت والے

نتیجۂ فکر | حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھیؒ

غلامی اس کی کریں تاج وسلطنت والے
نبی کا جو کوئی سچا غلام ہوجائے

کبھی نہ مجھ کو تمنا ہو باغ رضواں کی
اگر مدینہ میں میرا قیام ہوجائے

زباں پہ جاری رہے ہر گھڑی درود وسلام
ہمارا بس یہی دن رات کام ہوجائے

خدا کا بھی وہی محبوب خاص ہوتا ہے
جو کوئی عاشق خیر الانام ہوجائے

خدا کے ذکر میں دن رات میں رہوں مشغول
تمام عمر اسی میں تمام ہوجائے

وہ خوش نصیب جسے فیض خاص پہنچا ہے
جہاں میں اس کا نہ کیوں فیض عام ہوجائے

نگاہ لطف سے گر آپ دیکھ لیں سرکار
نہ ذرہ کس لیے ماہ تمام ہوجائے

جو دل سے سید عالم کی اتباع کرے
وہ مقتدی بھی جہاں کا امام ہو جائے

الٰہی! اب تو شفیع الامم کے صدقہ میں
مدینہ جانے کا پھر انتظام ہوجائے

حضور دل سے رہیں ان کی یاد میں مشغول
ہمارا شغل یہی صبح وشام ہوجائے

مدیر کے قلم سے

بلال عبدالحی حسنی ندوی

... اپنے جہاں سے بے خبر

موجودہ دور کا ایک بڑا مرض یہ ہے کہ فرض منصبی کا احساس ختم ہوتا جارہا ہے، عام طور پر لوگ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس نہیں کر پاتے، ان کی نگاہ دوسروں کی کوتاہیوں پر رہتی ہے، کوئی حضرت عمر کی صفات پیدا کرنے کے لیے تیار نہیں، سب بڑھیا بننا چاہتے ہیں، جس نے برسر عام حضرت عمر کو ٹوکا تھا، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ امت آج سخت مشکلات سے دوچار ہے، چہار جانب سے مصائب کے پہاڑ ہیں، طرح طرح کے مسائل ہیں، جس کا حل نظر نہیں آتا اور افسوس کی بات یہ ہے کہ حل تلاش کرنے اور اس کو عملی طور پر پیش کرنے کے بجائے مزید مشکلات پیدا کرنے کی کوششیں جاری ہیں، غیروں کا کیا "شکوہ" اپنے ہی اس "کار خیر" میں لگے ہوئے ہیں اور سوشل میڈیا اس کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

یہ صورت حال مسلمانوں کے لیے بڑی تشویش ناک ہے اور تاریخ بتاتی ہے کہ بنیادی طور پر مسلمانوں کو ہمیشہ اپنوں ہی سے نقصان پہنچا ہے، مار آستین ہمیشہ رہے ہیں جنہوں نے حکومتوں کے چراغ گل کیے ہیں، تحریکوں کو تتر بتر کیا ہے اور کردار کشی کے ذریعہ سے امت کو کھوکھلا کرنے کی کوششیں کی ہیں، ہمیں ماضی سے سبق لینے کی ضرورت ہے۔

مشین جب ہی چلتی ہے جب ہر پرزہ صحیح کام کرے، ورنہ سارا کام ٹھپ ہوجاتا ہے، اس وقت اس کی ضرورت ہے کہ امت کے مختلف طبقات اپنی اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں لگ جائیں اور جس سے جو بن پڑے وہ کرتا چلا جائے، بجائے اس کے کہ اپنے قلم اور زبان کی طاقت کو کسی کی کردار کشی کے لیے استعمال کیا جائے اور امت کو کمزور کیا جائے، خدا کی دی ہوئی نعمت کا صحیح استعمال ہو، دین کی صحیح ترجمانی اور مختلف قوموں کے سامنے اس کی مکمل تصویر پیش کرنے کی کوشش ان کی نفسیات کو سمجھ کر دعوت کی حکمتوں کو سامنے رکھتے ہوئے کی جاتی رہے تو یقیناً اس کے بہتر نتائج سامنے آسکتے ہیں۔

اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ منکر پر نکیر نہ کی جائے، یہ تو امت پر فرض کفایہ ہے اور علماء امت کی ذمہ داری ہے، لیکن فرق کو سمجھنے کی ضرورت ہے، کہاں برسر عام نکیر کی جائے گی، کہاں تنہائی میں سمجھانے کی ضرورت ہے، پھر اس کے لیے الفاظ کی حرارت و برودت کیا ہو، لہجہ کا ٹمپریچر کیا ہو اور اس کے حدود کیا ہوں، اس فرق کو اگر نہیں سمجھا جائے گا تو بات کردار کشی تک پہنچ جائے گی اور بجائے فائدہ کے نقصان ہوجائے گا۔

اس وقت کا بڑا مسئلہ یہی ہے کہ کوئی کام کرنے کو تیار نہیں، البتہ دوسروں کے کاموں پر جا بے جا نقد و احتساب کے لیے ہر فرد تیار ہے اور اس کو وقت کا سب سے بڑا جہاد سمجھا جارہا ہے اور اپنے ہی اپنوں کے قلعوں کو مسمار کرنے پر لگے ہیں۔

اس صورت حال کو بدلنے کی ضرورت ہے، سب سے بڑھ کر اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، ورنہ دوسروں کی خامیاں دیکھتے دیکھتے اپنی خامیوں کو نظر انداز کرنے کا مزاج بن جاتا ہے، مثل مشہور ہے کہ دوسروں کی آنکھ کا تنکا دیکھنے والے کو اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر نہیں آتا۔

حدیث میں آتا ہے: "الكيس من دان نفسه" (عقل مند وہ ہے جو اپنا محاسبہ کرتا رہے) اس کے آگے ارشاد ہے: "وعمل لما بعد الموت" (اور مرنے کے بعد والی زندگی یعنی آخرت کے لیے کام کرتا رہے) افسوس کی بات ہے کہ ہمیں اس کا بھی احساس نہیں ہوتا کہ ہم یہ سب کیوں کر رہے ہیں؟ آخرت کی کامیابی کا راستہ کیا ہے؟ دنیا کی عزت اور دولت کب تک ہے؟ کل مرنے کے بعد سب کھل جائے گا کہ کون خادم ہے اور کون مخدوم؟ دنیا کی عزت اور عیش و آرام کی حقیقت کیا ہے اور یہ سب کتنے دنوں کے لیے ہے؟

ہم سب کو اپنا جائزہ لینا چاہیے، اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا چاہیے اور پھر امت کی فلاح و بہبود کے لیے اللہ کی رضا کی خاطر جو بن پڑے وہ کر گذرنا چاہیے، یہ مزاج اگر ہمارا بن گیا تو مصائب کے پہاڑ پگھلتے چلے جائیں گے، راستے کھلتے چلے جائیں گے اور منزلیں آسان ہوتی جائیں گی۔

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾

روشنی کا مینار

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

ذرا چودہ سو برس پہلے کی دنیا پر نظر ڈالیے، اونچی اونچی عمارتوں، سونے چاندی کے ڈھیروں اور زرق برق لباسوں کو چھوڑ دیجیے، یہ تو آپ کو پرانی تصویروں کے مرقع اور مردہ عجائب خانہ میں بھی نظر آجائیں گے، یہ دیکھئے کہ انسانیت بھی کبھی جیتی جاگتی تھی، مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھر کر دیکھ لیجیے اور سانس روک کر آہٹ لیجیے، کہیں اس کی نبض چلتی ہوئی اور اس کا دل دھڑکتا ہوا معلوم ہوتا ہے؟

زندگی کے سمندر میں بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھائے جارہی تھی، انسانیت کے جنگل میں شیر اور چیتے، سور اور بھیڑیئے بکریوں اور بھیڑوں کو کھا رہے تھے، بدی نیکی پر، رذالت شرافت پر، خواہشات عقل پر، پیٹ کے تقاضے روح کے تقاضوں پر غالب آچکے تھے، لیکن اس صورت حال کے خلاف اتنی لمبی چوڑی زمین پر کہیں احتجاج نہ تھا، انسانیت کی چوڑی پیشانی پر غصہ کی کوئی شکن نظر نہیں آتی تھی، ساری دنیا نیلام کی ایک منڈی بن چکی تھی، بادشاہ ووزیر، امیر وغریب، اس منڈی میں سب کے دام لگ رہے تھے اور سب کوڑیوں میں بک رہے تھے، کوئی ایسا نہ تھا جس کا جوہر انسانیت خریداروں کے حوصلے سے بلند ہو اور جو پکار کر کہے کہ یہ ساری فضا میری ایک اڑان کے لیے کافی نہیں، یہ ساری دنیا اور یہ پوری زندگی میرے حوصلہ سے کم تھی، اس لیے ایک دوسری ابدی زندگی میرے لیے پیدا کی گئی، میں اس فانی زندگی اور اس محدود دنیا کی ایک چھوٹی سی کسر پر اپنی روح کو کس طرح فروخت کرسکتا ہوں؟

قوموں اور ملکوں کے اور ان سے گزر کر قبیلوں اور برادریوں کے اور ان سے آگے بڑھ کر کنبوں اور گھرانوں کے چھوٹے سے چھوٹے گھروندے بن گئے اور بڑے بڑے بلند ہمت انسان جن کو اپنی سرفرازی وسربلندی کے بڑے اونچے دعوے تھے، بالشتیوں کی طرح ان گھروندوں میں رہنے کے عادی بن چکے تھے، کسی کو ان میں تنگی اور گھٹن محسوس نہیں ہوتی تھی اور کسی کو اس سے زیادہ وسیع تر انسانیت کا تصور باقی نہیں رہا تھا، ساری سود وسودا اور مکر وفن میں گھر کر رہ گئی تھی۔

انسانیت ایک سرد لاشہ تھی، جس میں کہیں روح کی تپش، دل کا سوز اور عشق کی حرارت باقی نہیں رہی تھی، انسانیت کی سطح پر خودرَو جنگل اگ آیا تھا، ہر طرف جھاڑیاں تھیں جن میں خونخوار درندے اور زہریلے کیڑے تھے، یا دلدلیں تھیں جن میں جسم سے لپٹ جانے والی اور خون چوسنے والی جونکیں تھیں، اس جنگل میں ہر طرح کا خوف ناک جانور، شکاری پرندہ اور دلدلوں میں ہر قسم کی جونک پائی جاتی تھی، لیکن آدم زادوں کی اس بستی میں کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا، جو آدمی تھے وہ غاروں کے اندر، پہاڑوں کے اوپر اور خانقاہوں اور عبادت گاہوں کی خلوتوں میں چھپے ہوئے تھے اور اپنی خیر منا رہے تھے، یا زندگی میں رہتے ہوئے زندگی سے آنکھیں بند کر کے فلسفہ سے اپنا دل بہلا رہے تھے، یا شاعری سے اپنا غم غلط کر رہے تھے اور زندگی کے میدان میں کوئی مرد میدان نہ تھا۔

دفعتاً انسانیت کے اس سرد جسم میں گرم خون کی ایک رَو دوڑی، نبض میں حرکت اور جسم میں جنبش پیدا ہوئی، جن پرندوں نے اس کو مردہ سمجھ کر اس کے بے حس جسم کی ساکن سطح پر بسیرا کر رکھا تھا، ان کو اپنے گھر ہلتے ہوئے اور اپنے جسم لرزتے ہوئے محسوس ہوئے، قدیم سیرت نگار اس کو اپنی زبان خاص میں یوں بیان کرتے ہیں کہ کسریٰ

شاہ ایران کے محل کے کنگرے گرے اور آتش پارس ایک دم بجھ گئی، زمانہ حال کا مؤرخ اس کو اس طرح بیان کرے گا کہ انسانیت کی اس اندرونی حرکت سے اس کی بیرونی سطح میں اضطراب پیدا ہوا، اس کی ساکن و بے حرکت سطح پر جتنے کمزور اور بودے قلعے بنے ہوئے تھے ان میں زلزلہ آیا، مکڑی کا ہر جالا ٹوٹتا اور تنکوں کا ہر گھونسلہ بکھرتا نظر آیا، زمین کی اندرونی حرکت سے اگر سنگین عمارتیں اور آہنی برج خزاں کے پتوں کی طرح جھڑ سکتے ہیں تو پیغمبر کی آمد آمد سے کسریٰ وقیصر کے خود ساختہ نظاموں میں تزلزل کیوں نہ ہوگا؟ زندگی کا یہ گرم خون جو انسانیت کے سرد جسم میں دوڑا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا واقعہ ہے جو متمدن دنیا کے قلب مکہ معظّمہ میں پیش آیا۔

آپ نے دنیا کو جو پیغام دیا اس کے مختصر لفظ زندگی کی تمام وسعتوں پر حاوی ہیں، تاریخ گواہ ہے کہ انسانی زندگی کی جڑیں اور اس کے جھوٹے قصر زندگی کی بنیادیں کبھی اس زور سے نہیں ہلائی گئیں جیسی اس پیغام ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کے اعلان سے ہلائی گئیں اور دنیا کے کند ذہن پر کبھی ایسی چوٹ نہیں پڑی تھی جیسے ان لفظوں سے پڑی، وہ غصہ سے تلملا گیا اور اس نے جھنجھلا کر کہا: ﴿أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَهاً وَاحِداً إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ (کیا ان سب کو جن کی ہم پرستش کرتے تھے اور جن کے ہم بندے بنے ہوئے تھے اڑا کر ایک ہی معبود مقصود مقرر کر رکھا ہے؟ یہ تو بڑے اچنبھے کی بات ہے) اس ذہن کے نمائندوں نے فیصلہ کیا کہ یہ ہمارے نظام زندگی کے خلاف ایک گہری اور منظّم سازش ہے اور ہم کو اس کا مقابلہ کرنا ہے، ﴿وَانطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَى آلِهَتِكُمْ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ﴾ (ان کے سردار اور ذمہ دار ایک دوسرے کے پاس گئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو، یہ تو کوئی طے کی ہوئی بات معلوم ہوتی ہے)

یہ نعرہ زندگی اور انسانیت کے پورے تصور پر ایک کاری ضرب تھی جو ذہن کے پورے سانچہ اور زندگی کے پورے ڈھانچہ کو متاثر کرتی تھی، اس کا مطلب تھا جیسا کہ آج تک سمجھا جاتا رہا یہ دنیا کوئی خود رَو جنگل نہیں بلکہ یہ مالی کا لگایا ہوا آراستہ باغ ہے اور انسان اس باغ کا سب سے اعلیٰ پھول ہے، یہ پھول جو ہزاروں بہاروں کا سرمایہ ہے، بے مقصد نہیں کہ مَل دَل کر رہ جائے، انسان کے جوہر انسانیت کی اس خالق کے سوا کوئی قیمت نہیں لگا سکتا، اس کے اندر وہ لامحدود طلب، وہ بلند ہمت، وہ بلند پرواز روح اور وہ مضطرب دل ہے کہ ساری دنیا مل کر اس کی تسکین نہیں کر سکتی اور یہ سست عناصر دنیا اس کے ساتھ نہیں چل سکتی، اس کے لیے غیر فانی زندگی اور ایک لامحدود دنیا درکار ہے جس کے سامنے یہ زندگی ایک قطرہ اور یہ دنیا بازیچہ اطفال ہے، وہاں کی راحت کے سامنے یہاں کی راحت اور وہاں کی تکلیف کے سامنے یہاں کی کوئی تکلیف حقیقت نہیں رکھتی، اس لیے انسان کا فطری تقاضا خدائے واحد کی عبادت، اس کی خود شناسی، رضائے الٰہی کی طلب اور اس کی زندگی اس کے لیے جدوجہد ہے، انسان کو کسی روح، کسی مخفی وفرضی طاقت، کسی درخت اور پتھر، کسی قسم کی دھات اور جمادات، کسی مال ودولت، کسی جاہ وعزت، کسی طاقت وقوت اور کسی روحانیت وعظمت کے سامنے بندوں کی طرح جھکنے اور سبزہ کی طرح پامال ہونے کی ضرورت نہیں، وہ صرف ایک بلندی کے سامنے سب سے زیادہ پست اور سب پستیوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ بلند ہے، وہ سارے عالم کا مخدوم اور ایک ذات کا خادم ہے، اس کے سامنے فرشتوں کو سجدہ کرا کر اور اس کو اللہ کے سوا ہر ایک کے سجدہ سے منع کر کے ثابت کر دیا کہ کائنات کی طاقتیں جن کے فرشتے امین ہیں اس کے سامنے سرنگوں اور سربسجود ہیں اور اس کا سر اس کے جواب میں اللہ کے سامنے جھکا ہوا ہے۔

اس امت کا وجود دنیا کے ہر گوشہ میں مادی حقیقتوں اور جسمانی لذتوں کے علاوہ ایک بالکل دوسری حقیقت کے وجود کا اعلان ہے، اس کا ہر فرد پیدا ہو کر اور مر کر بھی اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ دنیا کی طاقتوں سے بڑی ایک دوسری طاقت ہے اور اس زندگی سے زیادہ حقیقی دوسری زندگی ہے۔

آخرت کی کھیتی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

اللہ تعالیٰ نے اخروی زندگی کی زمین، دنیوی زندگی والی زمین کی طرح نہیں بنائی ہے، یہاں کی زمین میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ ساری چیزیں رکھ دی ہیں جن کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے، اس دنیا کا نظام یہ ہے کہ اگر انسان محنت وکوشش کرے تو غلہ پیدا کرلے اور باغ لگالے تو پھل حاصل کرلے اور جب اللہ پانی برساتا ہے تو انسان اپنی کھیتی کے لیے پانی لے لے، یہ سب اللہ کی طرف سے ہورہا ہے اور اس لیے ہورہا ہے کہ ہم اپنی زندگی چلاسکیں لیکن آخرت کی زمین ایسی نہیں ہوگی، وہاں کی زمین "جُرفٌ" (کھوکھلی) ہوگی، وہاں کی زمین میں کچھ پیدا نہیں ہوگا، نہ وہاں کوئی درخت ہوگا، نہ کہیں سایہ ہوگا، نہ زمین میں اس کی صلاحیت ہوگی کہ اس میں آپ کچھ پیدا کرلیں اور نہ ہی وہاں کپڑے ہوں گے، سب انسان برہنہ ہوں گے، اس لیے کہ جب وہ دوبارہ پیدا کیے جائیں گے تو ان کے پاس پہننے کی کوئی چیز نہ ہوگی، حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا اس دن سب لوگ اس حالت میں ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "الأمر أشد من أن يهمهم ذاك" (اس وقت معاملہ اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگا، اس لیے کسی کو اس کا خیال بھی نہ ہوگا)

قیامت کے دن حشر کے میدان میں کسی کو کچھ ہوش نہیں ہوگا، سب لوگ بھاگ رہے ہوں گے، اس وقت کون دیکھے گا کہ دوسرا کس حال میں ہے، وہاں ہر ایک کے اپنے اوپر بنی ہوگی کہ ہم کہاں جائیں اور کیا کریں، وہاں سخت تپش ہوگی، سورج بالکل سر پر ہوگا، تمام انسان پسینہ میں شرابور ہوں گے، نہ پینے کا پانی ہوگا، نہ سر چھپانے کی جگہ ہوگی، نہ کوئی ہمدرد ہوگا، غرض سوائے بے بسی کے اور کچھ نہیں ہوگا۔

قرآن وحدیث میں صاف صاف کہہ دیا گیا ہے کہ ایسا نازک وقت آنے والا ہے، لہٰذا ہم تم کو ایک مدت دیتے ہیں، ایک زندگی دیتے ہیں، اس میں تم اگلی زندگی کے لیے خوب تیاری کرلو، ہم نے تمہارے واسطہ یہاں کے عمل کو وہاں کی پیداوار بنادیا ہے، جس طرح آپ یہاں کی زمین میں غلہ بوئیں تو نکلے گا اور اس سے کھیت بنے گا، اسی طرح آپ یہاں کوئی نیک عمل کریں تو آپ کے یہاں کسی عمل کے کرنے سے وہاں کی زمین میں آپ کے لیے ایک باغ تیار ہوجائے گا، آپ کے یہاں کے کسی عمل سے وہاں ایک مکان بن جائے گا، آپ کے یہاں کے کسی عمل سے وہاں دریا بن جائے گا، جو آپ کو وہاں ملے گا، اگر کسی نے کوئی نیک عمل کیا ہے تو اس کے مطابق اس کو وہاں وہ چیزیں جو ضرورت کی ہیں مل جائیں گے، جیسا عمل ہوگا، جتنا عمل ہوگا، اسی حساب سے وہ چیزیں بڑھتی جائیں گی، حدیث میں آتا ہے کہ فلاں چیز سے فلاں چیز حاصل ہوگی، مثلاً:

"من قال سبحان الله العظيم وبحمده غرست له نخلة في الجنة" (جو شخص "سبحان الله العظيم وبحمده" کہے تو اس کے لیے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگادیا جاتا ہے)

"ما من عبد يصلي لله كل يوم ثنتي عشرة ركعة تطوعا غير فريضة إلا بنى الله له بيتا في الجنة" (کوئی مسلمان بندہ نہیں جو اللہ کے لیے ہر روز فرائض کے علاوہ بارہ رکعات سنتیں ادا کرے مگر اللہ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنادیتا ہے)

"ما من عبد مسلم توضأ فأسبغ الوضوء ثم صلى لله كل يوم إلا بنى الله له بيتا في الجنة" (جس مسلمان بندہ نے بھی اہتمام کے ساتھ مکمل وضو کیا پھر اللہ کی رضا کی خاطر ہر روز (نفل) نماز ادا کی تو وہ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنادیتا ہے)

"من بنى مسجدا يبتغي به وجه الله بنى الله له بيتا في الجنة" (جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی، اس سے وہ اللہ کی رضا چاہتا ہے، تو اللہ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنائے گا)

اخروی زندگی کے لیے کیے جانے والے اعمال کی ایک بنیادی

شرط یہ ہے جس کا مذکورہ احادیث میں بھی ذکر ہے کہ ہر کام اللہ کے لیے ہو، اس میں اپنے نفس کو دخل نہ ہو، نہ شہرت اور ناموری کو دخل ہو، نہ کسی مادی فائدے کو، آدمی صرف اللہ کے لیے ہر کام کرے اور یہ بہت مشکل کام ہے، آسان کام نہیں ہے، جنت میں یوں ہی گھر نہیں بن جائے گا، بلکہ نیت کا صحیح ہونا ضروری ہے، ہم نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، لیکن روزے اور نماز کی جو نیت ہے، اصل دار و مدار اس نیت پر ہے، نیت جتنی مخلصانہ اور صحیح ہوگی، اسی کے حساب سے معاملہ ہوگا، ورنہ ظاہر میں چاہے کتنی ہی عمدہ نماز ہو رہی ہو، لیکن اگر اس میں نیت کھوٹی ہے، یا اس میں دنیوی ملاوٹ کی نیت ہے، تو اس کا وہ فائدہ نہیں ہوگا جو بتایا گیا ہے، اس لیے کہ اللہ ہر ایک کے دل کا حال دیکھ رہا ہے اور دل ہی کا اصل امتحان ہے، ظاہر کا نہیں ہے، ظاہر تو ایک علامت ہے دوسروں کے دیکھنے کی، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دل بھی ٹھیک ہوگا، مثلاً: کوئی کسی کے ساتھ سلوک کر رہا ہے، کسی کی مدد کر رہا ہے، اس میں کئی شکلیں ہو سکتی ہیں، ہو سکتا ہے اس لیے مدد کر رہا ہو کہ اس سے کوئی فائدہ اٹھانا ہے یا اس لیے مدد کر رہا ہو کہ اس میں دنیا کا کوئی مقصد ملا ہوا ہو، یا یہ بھی ممکن ہے کہ محض ہمدردی میں ایک انسان ہونے کے ناطے مدد کر رہا ہو، جس کی اللہ کے یہاں بڑی قیمت ہے، لیکن اگر اپنے ذاتی فائدہ کے لیے مدد کا کام کیا ہے تو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ بندہ سے پوچھے گا کہ تم اپنی زندگی میں کیا کر کے آئے ہو، یعنی ہم نے جو تمہیں زندگی دی تھی اور دنیا میں عمل کی جو مدت دی تھی، ساٹھ یا پچاس سال جو بھی مدت تھی، ہم نے یہ سمجھ کر دی تھی کہ اتنی مدت تمہارے لیے ضروری ہے، تمہارا عمل دیکھنے کے لیے ضروری ہے، اب یہ بتاؤ کہ تم دنیا میں کیا کر کے آئے ہو؟ چنانچہ سب سے پہلے ایک ایسا شخص لایا جائے گا جس نے دنیا میں خوب جہاد کیا ہوگا، اس سے معلوم کیا جائے گا کہ ہم نے تم کو دنیا میں جرأت و شجاعت عطا کی تھی، تم نے اس کو کہاں استعمال کیا؟ بندہ جواب دے گا: میں تیری راہ میں لڑتا رہا، یہاں تک کہ شہید ہو گیا، ارشاد ہوگا: تم غلط کہتے ہو، تم نے اس لیے جہاد میں شرکت کی تھی کہ لوگوں میں مجاہد اور بہادر سمجھے جاؤ اور ایسا ہی ہوا، لہٰذا تم نے جو چاہا تھا وہ تمہیں مل چکا، اب یہاں تمہارے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔ اسی طرح ایک دوسرا شخص لایا جائے گا جس نے دنیا میں وعظ و نصیحت کو اپنا مشغلہ بنایا ہوگا، اس کے دن و رات اسی کام میں گذرے ہوں گے اور اس سے معلوم کیا جائے گا کہ تم نے ہماری عطا کی ہوئی صلاحیتوں سے دنیا میں کیا کام کیا؟ وہ جواب دے گا: میں نے لوگوں کو تیری راہ میں خوب وعظ و نصیحت کی، ارشاد ہوگا: ہاں! تم نے یہ سب اس لیے کیا کہ تم کو بہت بڑا عالم سمجھا جائے، تم کو بڑا متقی سمجھا جائے، سو لوگوں نے تم کو عالم سمجھا، متقی سمجھا اور تم نے جو چاہا وہ تمہیں دنیا میں مل گیا، لہٰذا یہاں تمہارے لیے کچھ نہیں ہے۔ اسی طرح ایک مالدار شخص حاضر کیا جائے گا اور اس سے بھی اسی قسم کا سوال ہوگا، وہ جواب دے گا: ہمیں دولت حاصل ہوئی تو ہم نے تیری راہ میں خوب خرچ کیا اور سب کی مدد کی، ارشاد ہوگا: ہاں! یہ سب تم نے اس لیے کیا کہ لوگ تم کو سخی سمجھیں اور لوگوں نے تم کو سخی سمجھا، گویا جو تم نے چاہا وہ دنیا ہی میں تمہیں مل گیا، لہٰذا یہاں تمہارے لیے کچھ نہیں ہے، تمہیں جو ملنا تھا وہ مل گیا، دنیا میں لوگوں نے تم کو خوب سخی سمجھا۔

مذکورہ حدیث میں تین قسم کے لوگوں (مجاہد، عالم اور مالدار) کا ذکر ہے، جن کا انجام یہ بتایا گیا ہے کہ

"ثم أمر به فسحب على وجهه ثم ألقي في النار"

(پھر اس کے متعلق حکم ہوگا تو اس کو چہرہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل معاملہ نیت کا ہے، ہم جو بھی عمل کرتے ہیں، اس میں اگر اللہ کے لیے نیت ہے تو اس عمل کی قیمت ہے اور آخرت میں اس عمل کا اثر بھی ظاہر ہوگا، مگر یہ سب کچھ یہاں کے عمل سے ممکن ہوگا، وہاں ایسا کوئی عمل نہیں کیا جا سکتا جس سے یہ سب نعمتیں حاصل ہوں۔

سیاسی حکمت عملی کی ضرورت

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

انسان کی عقل کا امتحان اس وقت ہوتا ہے جب دو مضرت رساں اور نقصان دہ چیزیں اس کے سامنے ہوں اور اس کے لیے کوئی تیسرا راستہ نہ ہو، اسے گڑھے ہی کو منتخب کرنا ہو، چاہے وہ ایک چھوٹے گڑھے کو منتخب کرے، جس میں پھسل جانے کا اندیشہ ہو یا وہ ایک ایسی کھائی کا انتخاب کرے جس کا انجام بظاہر ہلاکت کے سوا کچھ اور نہ ہو، اگر وہ آگ سے بچ نہیں سکتا، چاہے ایک چنگاری پر سے گزرے یا آگ کے شعلہ سے گزر کر جانا پڑے، تو وہ چنگاری کو گوارا کر لیتا ہے، ایسی صورت حال میں انسان کی عقل اور اس کی ترجیحی صلاحیت کا امتحان ہوتا ہے اور ان حالات میں بہتر انتخاب ہی اصل میں حکمت و دانائی ہے۔

عربی زبان کے ماہرین نے لکھا ہے کہ حکمت کا لفظ ''حکم'' سے ماخوذ ہے، جس کے معنی معاملہ کو درست رکھنے کے لیے کسی عمل کو روکنے کے آتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت سے نواز دیا ہو اسے خیر کثیر عطا کیا گیا: ﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ اللہ تعالیٰ نے لقمان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے ان کو حکمت سے نوازا تھا: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ﴾ دعوت دین کا کام بڑا اہم بھی ہے، نازک بھی ہے اور مصلحت کے ساتھ کرنے کا بھی، اس لیے خاص طور پر فرمایا گیا کہ اللہ کے دین کی طرف حکمت کے ساتھ بلایا کرو: ﴿ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو چمٹا لیا اور دعا دیتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! اسے حکمت سے نواز دیجیے: ''اللھم علمہ الحکمۃ'' حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ہی سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: وہی آدمی اصل میں رشک کے لائق ہیں، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت سے نوازا ہو، وہ اس کے ذریعہ فیصلے کرتا ہو اور تعلیم و تربیت کی خدمت انجام دیتا ہو، ''آتاہ اللہ الحکمۃ فھو یقضی بھا و یعلمھا'' اس حدیث میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ جب کوئی فرد یا گروہ اللہ کی طرف سے حکمت و دانائی سے سرفراز ہوتا ہے تو وہ صحیح فیصلے کر پاتا ہے۔

اچھے اور برے حالات سے افراد بھی دو چار ہوتے ہیں اور قومیں بھی دو چار ہوتی ہیں، کم درجہ کے دشمنوں اور بڑے دشمنوں سے افراد کو بھی سابقہ پیش آتا ہے اور ملتوں کو بھی، انفرادی زندگی میں تو عموماً انسان کا رویہ یہی ہوتا ہے کہ وہ کم تر نقصان کو گوارا کر لے اور بڑے نقصان سے اپنے آپ کو بچائے رکھے، لیکن اجتماعی زندگی میں بسا اوقات ایسے فیصلے میں قومی جذبات حارج ہو جاتے ہیں اور بعض تکلیف دہ واقعات انسان کو اس درجہ متاثر کر دیتے ہیں کہ وہ اپنے فیصلہ میں حکمت و مصلحت کے پہلو کی رعایت نہیں کر پاتا، پھر اس کے نقصانات اتنے دور رس ہو جاتے ہیں کہ ان کی تلافی دشوار ہو جاتی ہے، تاریخ میں تو اس کی بہت سی مثالیں ہیں، لیکن خود ہندوستان کی حالیہ تاریخ میں بھی اس کی کئی مثالیں مل سکتی ہیں، جیسے ہندوستان کی تقسیم کا مسئلہ، اس وقت برصغیر میں علماء کی بڑی تعداد کا خیال تھا کہ متحدہ ہندوستان ہی مسلمانوں کے مفاد میں ہے، ملک کی تقسیم ملک کو بھی نقصان پہنچائے گی اور مسلمانوں کو خاص طور پر اس سے نقصان پہنچے گا مگر لوگ جذبات کی رو میں بہہ گئے، انہوں نے علماء پر لعن طعن شروع کر دیا اور انہیں اکثریتی فرقہ کا ایجنٹ ٹھہرایا گیا، اکثریت میں جو فرقہ پرست اور چالاک لوگ تھے، انہوں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا کہ مسلمانوں کو چھوٹا سا ہوم لینڈ دینے میں ہندو اکثریت کی بھلائی ہے، کیونکہ وہ طویل عرصہ سے محکومانہ زندگی گزارتے رہے ہیں، اب انہیں ایک بڑا خطہ حاصل ہو جائے اور وہ پوری مطلق العنانی کے ساتھ حکومت کر سکیں گے، بہر حال ملک تقسیم ہوا اور ہزاروں لوگوں کی جانیں گئیں، ان میں مسلمان بھی تھے اور ہندو بھی اور ظاہر ہے کہ کسی

بھی بے قصور مارے والے انسان کی ہلاکت قابل افسوس ہے، لیکن بہر حال ایسے مظلوموں میں غالب اکثریت مسلمانوں کی تھی، اس تقسیم کی سزا آج تک ہندوستان کے مسلمان بھگت رہے ہیں، اس کے نتیجہ میں جو ملک حاصل ہوا وہ ایسا کہ پچیس ہی سال میں دو ٹکڑے ہو گیا اور جو کچھ بچا کچا حصہ موجود ہے، وہ خود اندر سے ٹوٹ رہا ہے اور پوری دنیا میں بدنامی اور رسوائی کا عنوان بنا ہوا ہے۔

ہندوستان کی بعض مسلم ریاستیں ۱۹۴۸ء تک موجود تھیں، قومی سطح کے بعض مسلم قائدین نے حکومت ہند کو اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ وہ چند چیزوں میں اشتراک کے ساتھ اس مسلم ریاست کو باقی رہنے دے، ریاست کے حکمراں بھی اس کے حق میں تھے، کیونکہ مستقبل کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ایک ایسا ملک جس کے پاس تربیت یافتہ فوج نہ ہو، ہتھیار کا ذخیرہ نہ ہو، دوست ملک سے رابطہ نہ ہو اور فضائیہ اور بحریہ نہ ہو، وہ بڑی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اس لیے انہوں نے صلح کا راستہ اختیار کرنے کو ترجیح دی، تاکہ خوں ریزی سے بچا جا سکے اور پر امن طریقہ پر مسئلہ حل ہو جائے، لیکن کچھ جذباتی لوگوں نے قوم کو ورغلایا اور ایسے دعوے کرنے لگے جو ان کی طاقت سے باہر تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ ملک بھی ختم ہوا اور بے شمار مسلمان، مرد و عورت، بوڑھے بچے تہ تیغ کر دیے گئے، ممکن ہے کہ اس طرح کے فیصلے پورے جذبہ خلوص کے ساتھ کیے گئے ہوں، لیکن یقیناً یہ حکمت و مصلحت اور تدبر کے تقاضوں کے خلاف تھے اور ان کا جو نقصان ہونا تھا وہ ہوا۔

اب اس وقت ہندوستان ایک دوراہے پر کھڑا ہے اور وطن عزیز میں اس وقت مقابلہ خیر و شر اور نیکی و بدی کا نہیں، بلکہ دو برائیوں کا ہے اور ان دو میں سے کم تر برائی کے انتخاب کا مرحلہ درپیش ہے، ان حالات میں مسلمانوں کو گہرے تجزیہ کے ساتھ کام کرنے اور فہم و فراست کے ساتھ قدم آگے بڑھانے کی ضرورت ہے، مسلمانوں کو ایسی علاقائی اور قومی سیاسی جماعتوں سے معاہدہ کی بنیاد پر معاملات طے کرنے چاہئیں، جن کو کم سے کم سیکولر ہونے کا دعویٰ تو ہو، ایک واضح ایجنڈے کے ساتھ ان سے گفت و شنید ہونی چاہیے، یہ گفتگو خفیہ بھی ہو سکتی ہے، اگر ذرائع ابلاغ میں ایسی خبروں کا آنا نقصان دہ ہو اور اندیشہ ہو کہ فرقہ پرست طاقتیں اس کو بہانہ بنا کر برادران وطن کو اکسائیں گی اور اپنے ووٹ بینک کو بڑھانے کے لیے اس کا استعمال کریں گی، حکمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ فرقہ پرست طاقتوں کو تقویت پہنچانے کے دو طریقے ہو سکتے ہیں، ایک علانیہ طور پر ان کی تائید ہے اور بدقسمتی سے بعض مسلمان قائدین مودی کی حمایت میں بیانات بھی دے رہے ہیں، جس کو بے ضمیری کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جہاں ایک فرقہ پرست پارٹی کا مقابلہ براہ راست کسی سیکولر پارٹی سے ہو، وہاں سیکولر پارٹی کی مخالفت میں مہم چلائی جائے، اس سے غیر محسوس طریقہ پر فرقہ پرستوں کو تقویت حاصل ہوگی اور ان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو جائے گا۔

ہمارے ملک میں کثیر جماعتی جمہوریت کا نظام رکھا گیا ہے، یہ طریقہ عوام کے حق میں بہتر ہوتا ہے، کیونکہ ان کو دو سے زیادہ اختیار حاصل ہوتا ہے، لیکن بدقسمتی سے اس وقت عملاً ہمارا ملک دو جماعتی طرز حکمرانی کی طرف جا رہا ہے، کمیونسٹ پارٹیوں کے زوال کی وجہ سے تیسرا محاذ نہایت کمزور ہے اور مستقبل قریب میں اٹھ کھڑے ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا، ان حالات میں مسلمانوں کو نہایت حکمت اور تدبر سے کام لیتے ہوئے قدم اٹھانا چاہیے، جہاں دو برائیوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے پر انسان مجبور ہو، وہاں کمتر برائی کا انتخاب کر کے بڑے نقصان سے اپنے آپ کو بچا لے، ایسی حالت میں جب کہ ہندوستان کے سیاسی افق پر فرقہ پرستی کی سیاہ گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں، اگر ہم نے فراست ایمانی اور نور بصیرت سے کام نہیں لیا اور جذبات، ردعمل اور نعروں میں بہہ گئے تو اس سے دوررس نقصانات کا اندیشہ ہے، ضرورت ہے کہ مسلمان قائدین و رہنما پارٹیوں کی وفاداریوں سے نیز حقیر اور وقتی سیاسی مفادات سے اوپر اٹھ کر ملت کے مفاد میں اتحاد و اجتماعیت کے ساتھ کام کریں اور سفینۂ ملت کو بھنور سے نکالنے کی مخلصانہ کوشش کریں۔

گذشتہ سے پیوستہ

سچائی کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

پاک دامنی کا حکم:

اسلام میں پاک دامنی کا سختی سے حکم ہے اور پاک دامنی کا راستہ یہ ہے کہ آدمی اپنی طاقت کو مسخ نہ کرے، چنانچہ آتا بھی ہے کہ بعض صحابہ نے اپنی طاقت کو ختم کرنے کی اجازت چاہی، لیکن آپ نے منع کیا اور اس کو گناہ قرار دیا کہ یہ جائز نہیں ہے، اللہ نے دیگر طاقتوں کی طرح یہ بھی انسان کو ایک طاقت دی ہے، مثلاً: دیکھنے کی طاقت ہے، بولنے کی طاقت ہے، سننے کی طاقت ہے، اسی طرح ایک جنسی طاقت بھی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی خواہش بھی رکھی ہے، اس کا صحیح استعمال کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، اپنی آنکھیں پھوڑنے کے لیے نہیں کہا گیا ہے اور اس طاقت کو ضائع کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، اس کو ختم کرنے کی اجازت نہیں ہے، البتہ یہ حکم ہے کہ اس کا صحیح استعمال ہو اور اسی کا نام عفاف ہے، عفاف یہ نہیں ہے کہ اس طاقت کو مٹا دیا جائے اور طاقت ہی ختم کردی جائے، عفاف یہ ہے کہ اس طاقت کا صحیح استعمال کیا جائے، جس وقت آپ ﷺ نے اس کا حکم دیا وہ زمانہ جاہلیت کا تھا اور اس برائی میں وہ لوگ بہت ہی زیادہ ڈوبے ہوئے تھے اور اس میں کوئی حدود نہیں تھے، بلکہ ساری نالائقیاں ہوتی تھیں اور ایک دوسرے سے غلط تعلقات ہوتے تھے، اس کے لیے باقاعدہ عورتیں تھیں اور دس دس لوگ ان میں سے ایک ایک عورت کے پاس جاتے تھے، پھر جب بچہ پیدا ہوتا تھا تو وہ سب مردوں کو بلاتی تھی اور جس کو کہہ دیتی تھی کہ یہ بچہ اس کا ہے تو وہ بچہ اسی کا قرار پاتا تھا، اس طرح کی اور نہ جانے انہوں نے جانوروں والی کیا کیا شکلیں رائج کرلی تھیں، اسلام نے ان تمام شکلوں پر پابندیاں لگائیں اور اس کے لیے نکاح کا ایک واضح نظام اور اس کی مخصوص شکلیں متعین فرمائیں۔

صلہ رحمی:

ابوسفیان نے ہرقل کے سامنے حضور اکرم ﷺ کی ایک صفت یہ بھی بیان کی کہ وہ صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں، زمانہ جاہلیت میں بھی رشتوں کو جوڑنے کا ایک طریقہ تھا جو حقیقت میں توڑنا ہی تھا، وہ کہتے تھے کہ

"أنصر أخاك ظالما أو مظلوما" (تم اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم)

یعنی سامنے والا شخص اگر تمہارا بھائی ہے تو اب وہ کچھ بھی کرے تمہیں اس کا ساتھ دینا ہے، اگر اچھا کرے تو ٹھیک اور اگر برا کرے تو ٹھیک، اگر وہ مظلوم ہے تو ساتھ دینا ہے اور اگر ظالم ہے تو بھی ساتھ دینا ہے۔

نبی ﷺ نے رشتوں کو جوڑنے کا حکم دیا اور اس کے لیے حدود بھی متعین فرمائے، اسی طرح آپ ﷺ نے رشتوں کو توڑنے کے لیے بھی حدود قائم فرمائے اور اس کی تفصیل بیان فرمائی، آپ ﷺ نے بتایا کہ اگر مظلوم شخص تمہارا بھائی ہے یا تمہارا رشتہ دار ہے، تو تم اس کے ساتھ سلوک کرو، تم اس کی مدد کرو، تم برے وقتوں میں اس کے کام آؤ، لیکن اگر وہ ظالم ہے اور وہ غلط راستہ پر جارہا ہے تو اس کا ساتھ دینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم اس کی ہمت افزائی کرو اور غلط کام میں اس کا ساتھ دو، بلکہ اس کا ساتھ دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو اس غلط کام سے، یا ظلم کرنے سے روک دو اور اس کو ظلم سے باز رہنے کے لیے سمجھاؤ اور تلقین کرو، تمہارا اصل مدد کرنا یہ ہے، اگر تم اس کے خلاف کچھ کررہے ہو تو یہ مدد نہیں ہے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ کے مجمع میں یہ جملہ فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔

یعنی اپنے بھائی کی مدد کرنا تمہاری ذمہ داری ہے، لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کا مزاج بنا ہوا تھا، اس لیے انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر وہ مظلوم ہے تو اس کی مدد سمجھ میں آتی ہے، لیکن ظالم کی مدد کیسے کریں؟ ظاہر ہے یہ صحابہ کا بنا ہوا مزاج تھا جس کے نتیجہ

میں انہوں نے سوال کیا، اگر زمانہ جاہلیت والا ان کا مزاج ہوتا تو وہ کہتے ہاں ہاں بالکل یہ تو ہمارا وطیرہ ہے، ہم تو مدد کریں گے اور ساتھ دیں گے، اگر ہمارا بھائی قتل کر رہا ہے یا کسی کو قتل کر کے آیا ہے تو ہم اس کو بچائیں گے اور اگر وہ کسی کو قتل کرنا چاہتا ہے تو ہم تلوار تیز کر کے اس کو دیں گے کہ جاؤ تم قتل کرنا چاہتے ہو تو جا کر قتل کر دو، لیکن صحابہ کا مزاج بنا ہوا تھا، اس لیے انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ظالم کی کیسے مدد کی جائے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روک دو۔

صلہ رحمی کا تقاضا:

بلاشبہ صحیح معنی میں یہ ہے رشتہ داریوں کا خیال رکھنا اور اس میں یہ دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ سامنے والے کو کس وقت کس چیز کا تقاضا ہے، وہ بے چارہ بد دینی کی طرف جا رہا ہے، نماز نہیں پڑھتا، غلط کام کرتا ہے، بری عادتوں میں پڑ گیا ہے، ڈاکہ ڈال رہا ہے، چوری کر رہا ہے تو اس کے ساتھ صلہ رحمی یہ ہے کہ اس کو ان برائیوں سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے، یہ ہمارے اوپر شرعی ذمہ داری ہے، اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ وہ بھاڑ میں جائے، وہ جو کر رہا ہے کرے، ہم سے کیا مطلب؟ تو ہم یہ کہہ کر اپنا دامن نہیں بچا سکتے، بلکہ ہمارے اوپر ذمہ داری ہے کہ اگر ہمارا بھائی غلط کر رہا ہے تو صلہ رحمی کا تقاضا ہے کہ اس کو غلط کاموں سے روکا جائے اور یہ صلہ رحمی ہے کہ اچھا کام کر رہا ہے تو اس کی مدد کی جائے، اگر غریب ہے تو اس کے ساتھ سلوک کیا جائے، اگر بیمار ہے تو اس کی عیادت کی جائے، کسی پریشانی میں مبتلا ہے تو اس کی مدد کی جائے، یہ صلہ رحمی ہے، مگر آج کل الٹا ہوتا ہے اور لوگ اپنے بھائی کا گلا کاٹتے ہیں، یہ لوگوں کا عجیب مزاج ہے کہ سلوک بھی کرنا چاہتے ہیں تو غیروں کے ساتھ سلوک کرتے ہیں، اپنے بھائی اور بھتیجے کو دیکھتے ہیں کہ فاقے سے ہے، ان کے پاس افطار اور سحری کے پیسے نہیں، وہ دنیا کی مدد کریں گے مگر اپنے بھائی بھتیجے کی مدد نہیں کریں گے، کیونکہ اندر دراڑیں پڑ گئی ہیں اور اسی کو لیے بیٹھے ہیں، یہ سخت گناہ کی بات ہے، اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ صلہ رحمی یہ نہیں ہے کہ تمہارے ساتھ کوئی اچھا برتاؤ کر رہا ہے تو تم بھی اچھا برتاؤ کرو اور اگر تمہارے ساتھ کوئی برا سلوک کر رہا ہے تو تم اس کے ساتھ برا سلوک کرو، یہ تو معاملہ برابر سرابر کر دینے والا ہے، برابر سرابر کر دینے والا حقیقت میں صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ اگر کوئی رشتہ توڑ رہا ہے تو وہ اس کا رشتہ جوڑے، اگر کوئی اس کے ساتھ برا سلوک کر رہا ہے تو وہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے، ہمیں اصل یہ حکم دیا گیا ہے۔

رشتہ کی اللہ سے فریاد:

آپ ﷺ نے صلہ رحمی کا حکم دیا اور اس کی پوری تفصیلات بیان فرما دیں کہ اگر تمہارا کوئی رشتہ دار ہے، عزیز ہے تو اس کا ساتھ دو اور اس کی مدد کرو، اگر وہ ظالم ہے تو ظلم سے روکو، اگر وہ مظلوم ہے تو اس کی مدد کرو اور اس کی جو ضرورتیں ہیں وہ پوری کرو، یہ صلہ رحمی کا تقاضا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت میں رشتہ کو ایک جسم عطا کریں گے اور وہ عرش الٰہی کا پایہ پکڑ کر کھڑا ہو جائے گا، حدیث میں آتا ہے کہ رشتہ اللہ سے کہے گا کہ اے اللہ! جس نے دنیا میں مجھے جوڑا تو اسے جوڑ دے اور جس نے مجھے توڑا تو اسے توڑ دے۔

دوہرا اجر:

صلہ رحمی کے متعلق اگر غور کیا جائے تو یہ ایک بہت اہم مسئلہ ہے، اچھے اچھے دینداروں میں اس کی بڑی کوتاہی ہوتی ہے اور لوگ نہیں سمجھتے کہ ہمارے اوپر کیا ذمہ داری ہے، حالانکہ اگر رشتہ دار کو آدمی صدقہ دے، تو حدیث میں آتا ہے کہ دو اجر ملتے ہیں، ایک صدقہ کا اجر اور ایک صلہ رحمی کا، اسی طرح زکوۃ وغیرہ کے پیسے بھی رشتہ داروں کو دیے جا سکتے ہیں، بلکہ بہتر ہے کہ پہلے مرحلہ پر انہی کو دیے جائیں، البتہ اولاد اور ماں باپ کو نہیں دیے جا سکتے اور ان کے اوپر دادا دادی، نانا نانی جتنے بھی ہیں ان کو نہیں دے سکتے، اسی طرح پوتا پوتی، نواسہ نواسی اور بیٹیوں کو نہیں دے سکتے، باقی اگر بھائی بھتیجے غریب ہوں تو ان کو دیے جا سکتے ہیں، یہ زیادہ بہتر ہے، اس لیے کہ اس میں دوہرا اجر ملتا ہے، ایک صلہ رحمی کا اجر اور دوسرے صدقہ کا۔

تلاوت قرآن اور اس کے آداب

عبدالسبحان ناخدا ندوی

قرآن کریم کا یہ بنیادی حق ہے کہ اسے صحیح طریقہ سے پڑھا جائے، بعض حضرات تعلیم کتاب کو بنیاد بنا کر تلاوت کا مرتبہ کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن یہ انداز فکر درست نہیں، قرآن کریم کے ہر حق کو پوری طرح سمجھ کر اسے ادا کرنے کی کوشش کرنا ہر طالب قرآن کی ذمہ داری ہے، تلاوت کا حکم آنحضرت ﷺ کو متعدد مقامات پر دیا گیا ہے، جس سے اس کا مستقل عبادت ہونا معلوم ہوتا ہے، تلاوت آیات رسول کا فرض منصبی ہے اور اس سے تلاوت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، ارشاد ہے: ﴿وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ☆ وَأَنْ أَتْلُوَ الْقُرْآنَ﴾ (مجھے حکم ہے کہ میں مسلمان ہی رہوں اور یہ کہ قرآن کی تلاوت کرتا رہوں) ﴿اتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ﴾ (آپ کی طرف جو کتاب وحی کی جارہی ہے اس کی تلاوت کیجیے) ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ﴾ (اللہ وہ ہے جس نے امیین میں ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے) متعدد مقامات پر تلاوت کتاب کو ایک مستقل حیثیت دی گئی ہے، لہٰذا اسے مستقل عبادت سمجھ کر انجام دینا طالب قرآن کی ایک اہم ذمہ داری ہے، تلاوت کے آداب واحکام پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، ہم ذیل میں بعض خاص احکام وآداب درج کرتے ہیں:

۱- تجوید: کسی چیز کو عمدہ اور خوب مستحکم بنانے کا نام تجوید ہے، مخارج کی ادائیگی اور مکمل صحت کے ساتھ پڑھنے کو تجوید کہتے ہیں، یہ تلاوت کا بنیادی حق ہے، اس لیے تجوید کا بنیادی علم ضرور حاصل کیا جائے، اس کی غرض یہ ہے کہ اللہ کی کتاب کی تلاوت کو ہر قسم کی غلطیوں سے محفوظ رکھا جائے، تجوید ہی سے متعلق یہ بھی ہے کہ کتاب اللہ کی تلاوت میں کوئی بڑی یا چھوٹی غلطی نہ ہو، بڑی غلطی کو ''لحن جلی'' کہتے ہیں، جیسے تا کو طا پڑھنا، یا ذال کو زا پڑھنا، لحن جلی کرنا حرام ہے۔ ''لحن خفی'' نسبۃً چھوٹی غلطی یہ مکروہ ہے، جب کہ بعض علماء اسے بھی حرام کہتے ہیں، جیسے مدنہ کرنا، یا غنہ چھوڑ دینا وغیرہ۔

قرآن کی تلاوت ہمیشہ ''أعوذ باللہ'' اور ''بسم اللہ'' سے کی جائے، اکثر حضرات اسے مستحب قرار دیتے ہیں، سورت کے شروع سے تلاوت ہو تو ''بسم اللہ'' ضرور پڑھی جائے، درمیان سورت سے تلاوت ہو تو بھی ''بسم اللہ'' کہنا بہتر ہے۔

۲- تلاوت باوضو کرے، بالخصوص منہ پر کوئی گندگی ہو تو اسے دور کرے۔

۳- جہاں تلاوت کرے وہ جگہ بھی پاک وصاف ہو، اسی لیے بعض حضرات نے مسجد میں تلاوت کرنے کو اور افضل بتایا ہے۔

۴- قبلہ رو تلاوت کرنا اور اچھا عمل ہے، حالانکہ کسی بھی طرف رخ کرنا جائز ہے۔

۵- باادب بیٹھ کر تلاوت کرنا بہت اچھا عمل قرار دیا گیا ہے، گرچہ کھڑے بیٹھے لیٹے تلاوت میں کوئی حرج نہیں۔

۶- اگر عربی جانتا ہو تو اپنی تلاوت پر غور بھی کرتا رہے، تاکہ قرآن کریم کے اثرات دل پر مرتب ہوں۔

۷- تلاوت کے دوران کبھی محبت وخوف کا غلبہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں رونا بہتر ہے، ارشاد رسالت ہے:

"اقرؤوا القرآن وأبكوا" (قرآن پڑھو اور روؤ)

اگر رونا نہ آئے تو روتے بنو۔

۸- قرآن کریم ٹھہر ٹھہر کے پڑھے، ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ

تَرْتِيْلاً ﴾ کا یہی مفہوم ہے، رسول اکرم ﷺ جب تلاوت فرماتے تو ایک ایک حرف واضح ہوتا تھا، بہت جلدی جلدی پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، جس میں الفاظ اور حروف واضح نہ ہوں۔

۹- گاہے بگاہے کبھی رحمت کی آیت تلاوت کرے تو اپنے لیے اللہ کی رحمت چاہے، اس میں اوروں کے لیے دعا کرنا بھی بہتر معلوم ہوتا ہے، آیت عذاب سے گذرے تو اللہ کے عذاب سے پناہ چاہے۔

۱۰- قرآن کریم کا بہت احترام کرے، قرآن سامنے رکھ کر لطائف سنانا، ہنسنا، لغو باتیں کرنا سب ممنوع ہے، کوئی ضروری بات کرنی ہو تو کوئی حرج نہیں، ورنہ قرآن بند کر کے ایک کنارے رکھ دے اور اپنے کاموں میں مشغول ہو جائے۔

۱۱- قرآن کی تلاوت عربی زبان ہی میں کرے، آج کل غیر عربی زبانوں میں بھی قرآن کریم لکھا جا رہا ہے، اس طرح لکھنا بھی درست نہیں اور غیر عربی میں تلاوت بھی صحیح نہیں ہے، بلکہ غیر عربی زبان میں قرآن کی صحیح تلاوت ممکن ہی نہیں ہے، اس سے بچا جائے۔

۱۲- قرآن کریم دیکھ کر تلاوت کرنے کو افضل قرار دیا گیا ہے، البتہ اگر کوئی بغیر دیکھے اپنی یادداشت سے آسانی کے ساتھ پڑھ لیتا ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۳- تلاوت میں آواز کچھ بلند رکھے، اس سے کان بھی تلاوت کے نور سے معمور ہوتے ہیں، البتہ اتنی بلند آواز نہ ہو جس سے اوروں کو پریشانی ہو، قریب میں کوئی سو رہا ہو تو تلاوت میں اس کی رعایت کرنا ضروری ہے۔

۱۴- اچھی سے اچھی آواز میں قرآن پڑھنے کی کوشش کرے، ارشاد رسالت ہے: "زينوا القرآن بأصواتكم" (قرآن کو اپنی آواز سے سجادو)

تلاوت قرآن کے ساتھ کتاب کی تعلیم پانا بھی نہایت ضروری ہے، تا کہ بندے کو معلوم ہو جائے کہ اس کا رب اس سے کیا چاہتا ہے؟ یہ چیز تعلیم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، پیغمبر کا یہ ایک اہم فرض منصبی تھا، آپ ﷺ نے عمر بھر اللہ کی کتاب کی تعلیم دی، صحابہ اس سے آراستہ ہوئے اور پورے عالم کو قرآن کے نور سے معمور کیا۔

ایک طبقہ صرف تلاوت کی حد تک رہتا ہے اور یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتا کہ کتاب الٰہی میں اس کے لیے کیا کچھ ہدایت کا سامان ہے، یہ بھی قرآن کریم کی ناقص نمائندگی ہے، کسی معتبر تفسیر یا معتبر عالم سے کتاب الٰہی کی ہدایات کو ضرور معلوم کر لے تا کہ پوری زندگی قرآن کے سانچے میں ڈھل جائے۔

حکمت دین کی پوری سمجھ کو کہا جاتا ہے، اسی کو تفقہ فی الدین کہتے ہیں، اللہ کی کتاب سے وابستگی پر جو خاص دینی حس نصیب ہوتی ہے وہ درحقیقت حکمت قرآن کا ایک حصہ ہے، اسی لیے بعض حضرات کے نزدیک اللہ کی طرف سے ملنے والے خاص فہم کو حکمت کہتے ہیں جس سے ہر چیز کو سمجھنا آسان ہو جائے اور حق کی یافت ممکن ہو، آپ ﷺ کی پوری سنت اور شرعی احکامات کی وضاحت کو بھی حکمت کہا گیا ہے، اسی طرح اس فیصلہ کن طاقت کو بھی حکمت کہتے ہیں جس سے حق و باطل کو جدا جدا کرنا آسان ہو جائے۔

لغت میں حکمت اس فہم و دانائی کو کہتے ہیں، جس کے ذریعہ صحیح فائدے کا حصول آسان اور ہر قسم کے نقصان سے بچنا ممکن ہو، قوت فیصلہ کو بھی حکمت کہتے ہیں، کسی چیز کو صحیح صحیح جان کر اس سے فائدہ اٹھانے کو بھی حکمت کہا گیا ہے، کتاب کے ساتھ جہاں کہیں بھی حکمت کا لفظ آتا ہے وہاں اکثر و بیشتر تعلیمات نبوت مراد ہوتی ہیں، جن سے بڑھ کر نسل انسانی کے لیے کوئی اور چیز مفید نہیں، باقی اللہ کی کتاب کی صفت ہی "الحکیم" ہے، کتاب و سنت کو سمجھنے سے جو دینی فہم نصیب ہوتا ہے، اس سے بڑھ کر انسان کے لیے کوئی چیز منفعت بخش نہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ "الحکمۃ" سے مراد سنت رسول کو لیتے ہیں، شاید یہی اس کا سب سے جامع مفہوم ہو۔

اس لحاظ سے دعاۃ کی یہ ذمہ داری ہے کہ پہلے وہ خود قرآنی انسان بنیں پھر قرآن کی دعوت پیش کریں، حامل قرآن بنے بغیر دعوت قرآن صرف ضابطہ کی کارروائی بن کر رہ جاتا ہے، جس میں مطلوبہ تاثیر پائی نہیں جاتی اور باتیں صرف ہوائی بن کر رہ جاتی ہیں۔

جانوروں کی زکوٰۃ

مفتی راشد حسین ندوی

ہمارے یہاں بڑی تعداد میں جانوروں کو پالنے کا رواج نہیں ہے، اگر ڈیری وغیرہ میں زیادہ تعداد میں پالے بھی جاتے ہیں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط عام طور سے نہیں پائی جاتیں، لیکن عربوں کی اصل معاش مویشیوں کے پالنے پر منحصر تھی، خاص طور سے اونٹ کثرت سے پالے جاتے تھے، اسی لیے احادیث اور فقہی کتابوں میں مویشیوں کی زکوٰۃ کا تذکرہ بڑی تفصیل سے نظر آتا ہے، ہم قارئین کے علم کے لیے اس سلسلہ کی مختصراً بحث پیش کررہے ہیں:

جانوروں میں وجوب زکوٰۃ کی شرائط:

جانوروں میں زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب مندرجہ ذیل شرطیں پائی جائیں:

(۱) وہ جانور دودھ حاصل کرنے یا نسل بڑھانے کے مقصد سے پالے گئے ہوں، اگر کھیت کی جوتائی کے لیے یا سواری کے لیے یا گوشت کھانے کے لیے پالا ہو تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

(بدائع:۲/۱۲۶)

(۲) جانور تین جنسوں (اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ، بکری) میں سے ہو تبھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، چنانچہ گھوڑے، خچر، گدھے وغیرہ، اسی طرح ہرن، نیل گائے جیسے جنگلی جانوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، الا یہ کہ ان کی تجارت کرتا ہو۔

(بدائع:۲/۱۲۶، ہندیہ:۱/۱۷۸)

(۳) وہ جانور سائمہ ہوں، یعنی سال کا اکثر حصہ چر کر گزارتے ہوں، چنانچہ اگر آدھے سال یا اس سے کم چر کر گزارتے ہوں، یا جن کو ڈیری یا گھر میں چارہ مہیا کیا جاتا ہو، تو چاہے جتنی تعداد میں ہوں، ان کی زکوٰۃ مالک پر واجب نہیں ہوگی۔

(بدائع الصنائع:۲/۱۲۶)

(۴) وہ جانور اتنے صحت مند ہوں کہ ان کی بڑھوتری ممکن ہو، چنانچہ اگر ان کی صحت بڑھوتری کے لائق نہ ہو، مثلاً سب بچے یا ایسے معذور ہوں کہ ان کی بڑھوتری ممکن نہ ہو تو ان کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ خانیہ علی ہامش الہندیہ:۱/۲۴۸)

(۵) جانور اس تعداد تک پہنچ جائیں جس تعداد کے مکمل ہونے پر زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) اور ان پر سال گزر جائے۔ (شامی:۲/۱۷)

اونٹ کی زکوٰۃ:

اونٹ کی زکوٰۃ کا ذکر احادیث اور فقہ کی کتابوں میں بڑی تفصیل سے آیا ہے، ہم مختصراً ضروری مسائل کا ذکر کرتے ہیں:

(۱) پانچ اونٹ سے کم ہوں تو ان پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے، اس لیے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت بخاری اور مسلم نے نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: پانچ اونٹ سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے، پھر پانچ سے نو اونٹ تک ایک سالہ بکری یا بکرا واجب ہے اور دس سے ۱۴/اونٹ تک دو ایک سالہ بکرا یا بکری واجب ہے اور پندرہ سے انیس اونٹ پر تین ایک سالہ بکری یا بکرا اور بیس سے چوبیس تک ۴/بکری یا بکرا واجب ہے، بخاری کی روایت میں حضرت انسؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے حوالہ سے یہی تفصیل نقل کی ہے۔

(البحر الرائق:۲/۲۱۵)

(۲) پھر ۲۵ سے ۳۵/تک ایک سالہ اونٹنی واجب ہوتی ہے، ایک سالہ اونٹنی کو عربی میں بنت مخاض کہا جاتا ہے۔

(۳) ۳۶ سے ۴۵/تک دو سالہ اونٹنی جس کو بنت لبون کہتے ہیں

(۴) ۴۶ سے ۶۰/تک تین سالہ اونٹنی جس کو حقہ کہتے ہیں۔

(۵) ۶۱ سے ۷۵/تک چار سالہ اونٹنی جس کو جذعہ کہتے ہیں۔

پھر آگے خاصی طویل فہرست کے بارے میں احادیث اور فقہ میں بحث کی گئی ہے، لیکن میرے خیال سے ہندوستان میں اس کی ضرورت بہت کم پیش آتی ہے، کسی کو ضرورت پیش آئے تو کسی مستند عالم سے معلومات حاصل کرلے۔

(ہندیہ:۱/۱۷۷، صحیح بخاری، باب زکوٰۃ الغنم:۱۴۵۴)

اونٹ کی زکوٰۃ کے چند ضروری مسائل:

(۱) اونٹ کی زکوٰۃ میں جب بکری واجب ہورہی ہو تو نر مادہ دونوں دے سکتا ہے، لیکن جب اونٹ سے واجب ہورہی ہو تو مادہ دیا جائے گا، اس لیے کہ بخاری کی مذکورہ حدیث میں مادہ ہی کا ذکر ہے، البتہ مادہ موجود نہ ہو تو نر دیا جاسکتا ہے، لیکن مادہ کی قیمت کے حساب سے کمی بیشی کو روپیوں کے ذریعہ سے دور کیا جائے گا۔

(بدائع:۲/۱۳۱)

(۲) اگر جس عمر کا جانور واجب ہورہا ہے وہ موجود نہیں ہے، تو اس سے کم عمر والا دیا جاسکتا ہے اور عمر کے تفاوت کی وجہ سے قیمت میں جو کمی ہورہی ہے، اس کو روپئے سے پورا کردیا جائے اور واجب سے بڑا جانور موجود ہو تو وہ دے دیا جائے اور بڑھی ہوئی قیمت کو واپس لے لیا جائے، اس صورت حال میں جانور کے بجائے قیمت سے بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، احادیث میں اس کی اجازت موجود ہے۔

(ہندیہ:۱/۱۷۷)

(۳) اگر کچھ جانور عیب دار ہوں، مثلاً: لولے لنگڑے اندھے وغیرہ تو ان کو بھی شمار کیا جائے گا، لیکن ان سے ادائیگی نہیں کی جائے گی۔

(ہندیہ:۱/۱۷۷)

گائے بھینس کی زکوٰۃ:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: تیس گائے یا بھینس میں ''تبیع یا تبیعہ واجب ہے اور چالیس میں مسنہ واجب ہے۔''

(ترمذی، ابواب الزکوٰۃ، باب ماجاء فی زکوٰۃ البقر:۶۲۲)

تبیع ایک سالہ بچھڑے کو کہتے ہیں اور مسنہ دوسالہ کو کہتے ہیں، حدیث سے معلوم ہوا کہ گائے بھینس کی زکوٰۃ میں نر مادہ دونوں دے سکتے ہیں، ۲۹/ جانور ہوں تو کچھ بھی واجب نہیں ہوگا، پھر تیس جانور ہوجائیں تو ایک سالہ نر یا مادہ بچھڑا واجب ہوگا، پھر ۳۹/ تک یہی واجب رہے گا، پھر چالیس ہوجائیں تو مسنہ دوسالہ بچھڑا واجب ہوگا، پھر مفتی بہ قول کے مطابق ۵۹/ تک ایک دوسالہ بچھڑا ہی واجب رہے گا، پھر جب تعداد ۶۰/ جانور تک پہنچ جائے تو چونکہ اس میں دو تیس پائے جائے رہے ہیں، لہٰذا اس میں دو تبیع (ایک سالہ بچھڑے) واجب ہوں گے، ۶۹/ تک یہی واجب ہوں گے، پھر جب تعداد ستر تک پہنچ جائے تو چونکہ اس میں ایک ۳۰/ کا اور ایک چالیس کا عدد موجود ہے، لہٰذا ایک تبیع اور ایک مسنہ ۷۹/ کی تعداد تک واجب رہے گا، پھر جب تعداد ۸۰/ تک پہنچ جائے تو ۸۹/ تک دو مسنہ واجب ہوں گے، اس لیے کہ اس میں چالیس کے دو عدد موجود ہیں، پھر اسی طرح دس کی تعداد بڑھنے پر ہر تیس پر تبیع اور ہر چالیس پر مسنہ بڑھتا رہے گا اور جہاں ۳۰/ اور ۴۰/ دونوں پر تقسیم ہوسکتی ہو وہاں اختیار ہے کہ چاہے مسنہ کا حساب لگائے، چاہے تبیع کا، مثلاً ۱۲۰/ میں چار تیس موجود ہیں اور تین چالیس موجود ہیں تو چاہے چار تبیع دے اور چاہے تو تین مسن دے۔ (شامی:۲/۱۹-۲۰)

بھیڑ بکری کی زکوٰۃ:

حضرت انسؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے جو طویل روایت نقل کی ہے، اس میں بکریوں کے متعلق آنحضور ﷺ نے فرمایا: اور سائمہ بکریوں کی زکوٰۃ جب وہ چالیس سے ایک سو بیس تک ہوں ایک بکری ہے اور جب وہ ایک سو بیس سے بڑھ جائیں تو دو سو تک دو بکریاں ہیں، پھر جب دو سو سے بڑھ جائیں تو تین سو تک تین بکریاں ہیں، پھر جب تین سو سے بڑھ جائیں تو ہر سو بکری پر ایک بکری واجب ہوگی۔ (بخاری:۱۴۵۴)

یہی تفصیل فقہی کتابوں میں بھی ہے، یعنی چالیس سے کم ہوں تو کوئی زکوٰۃ نہیں ہے، پھر چالیس ہوجائیں تو ایک ایک سالہ بکری یا بکرا واجب ہے وغیرہ وغیرہ۔ (ہندیہ:۱/۱۷۸) (باقی صفحہ ۱۷ نمبر پر)

رجوع الی اللہ

محمد طارق بدایونی

بلاشبہ انسان ایک مخلوق ہے، جس کا خالق ایک ہے اور خالق ومخلوق کے رشتہ کا تقاضا ہے کہ انسان اسی خالق کی طرف رجوع کرے، لیکن آج المیہ یہ ہے کہ انسانیت نوازی ندارد ہے، ہم نے اپنی قدروں کو خود ہی پامال کرلیا ہے، ہم بلا کسی مقصد اور بلا کسی مشن کے زندگی گذار رہے ہیں اور اگر مقصد ہے بھی تو صرف روٹی کپڑا اور چین کی نیند سونا۔

اللہ رب العزت نے اس کائنات میں ہر شئ کارآمد اور بامقصد پیدا کی ہے اور انسان کا مقصد اللہ کی عبادت کرنا اور اسی کی پیروی بجا لانا ہے، اللہ رب العزت انسانوں کو اور خصوصاً مسلمانوں کو شرک وبدعت اور تمام برائی کے کاموں سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے، جا بجا اس مفہوم کو قرآن مجید میں اجاگر کیا گیا ہے، وہ چاہتا ہے کہ بندے اسی کی جانب کھنچ کر چلے آئیں، اس کے مبعوث کردہ رسولوں کے نقش قدم پر چلیں، کیونکہ وہ اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رب العالمین نے انسان کو اشرف المخلوقات کا خطاب بھی بخشا ہے۔

قرآن مجید میں وارد ہے ﴿فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ﴾ اللہ کی جانب دوڑ پڑو یعنی اللہ ہی کے ہوکر رہ جاؤ، مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں ظاہری وباطنی اللہ رب العزت کو ناپسند ہیں، انہیں چھوڑ کر ان چیزوں کی طرف فرار ہونا جو اللہ کو پسندیدہ ہیں، جیسے جہالت سے فرار ہوکر علم کی طرف آنا، کفر سے بھاگ کر ایمان کی طرف آنا، اللہ کی نافرمانیوں سے فرار ہوکر اطاعت کی طرف آنا، کیونکہ اللہ کی جانب پلٹنے میں امن، مسرت، سکون، سعادت اور فوز وفلاح پوشیدہ ہے۔

اللہ کی جانب پلٹ کر آنا کوئی مشکل امر نہیں ہے، اگر انسان خود کی خلقت میں غور وفکر کرلے تو بآسانی اللہ کے سایہ رحمت میں جگہ پاسکتا ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾ یقیناً اس عمل سے حق دودو چار کی طرح واضح ہوجائے گا۔

ایک جگہ رب العالمین کھلا اعلان کرتا ہے: ﴿وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ ہم دیکھتے ہیں کہ کہیں ذرا سے ڈسکاؤنٹ پر کوئی سیل لگ جائے تو کیسے لوگ لپک لپک کر خریداری کے لیے جاتے ہیں، بالکل اس مفہوم کو اللہ نے یہاں بیان فرمایا ہے کہ اے بندو جلدی سے آجاؤ اور مغفرت چاہ لو، میں مغفرت کردوں گا، مفہوم واضح ہے کہ ہمیں اس سنہری موقع سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے، کیونکہ کسے معلوم کہ کب اور کہاں موت کا شکنجہ ہم پر کس دیا جائے اور کس وقت مہلت عمل ختم ہوجائے۔

ایک جنگ کے موقع پر رسول اکرم نے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”دوڑو جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین بھی زیادہ ہے“ ایک صحابی رسول اس وقت کھجوریں کھا رہے تھے، جیسے ہی یہ آواز ان کے کان میں پڑی تیزی سے جنگی صفوں میں گھس گئے اور جام شہادت نوش فرمالیا، یہ واقعہ ہمارے لیے بڑی اہمیت کا حامل ہے، آج کل دیکھنے میں آتا ہے کہ مؤذن مغفرت ورحمت الٰہی کی جانب بلا رہا ہوتا ہے اور ہم اپنے حقیقی مقصد سے بے خبر خوش گپیوں میں لگے ہوتے ہیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ خدا سے دوری قرآن مجید اور حدیث نبوی کو پس پشت ڈال دینے سے ہوئی ہے، جیسا کہ رسول اللہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا ”ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما: کتاب الله و سنة نبیه صلی الله علیه و سلم“ اور ہم نے ایسا نہ کیا، ایک سبب یہ بھی ہے کہ آج مادہ پرستی کا دور دورہ ہے، چہار جانب اسی کا ڈنکا بج رہا ہے، ضرورت ہے مادیت پرستی چھوڑ خدا پرستی کی جانب قدم بڑھائے جائیں، خدا کو پہچانیں، دوسری قوموں سے عبرت پکڑیں۔

اسی طرح آج کل ٹکنالوجی نے بھی کسی حد تک لوگوں کو متاثر کیا ہے، خاص کر سوشل میڈیا کے منفی استعمال نے مسلمانوں کو رب سے

غافل کر کے رکھ دیا ہے، اخلاقیات بگاڑ کا شکار ہیں، بھائی چارگی کا خاتمہ ہوتا جارہا ہے، سب کے سب "إنما المومنون إخوة" کا پیغام بھول چکے ہیں، آخر ان سب کا حل اور علاج کیا ہے؟

آج کے دور میں انسان کی دلچسپی کے مراکز مختلف ہیں، جن میں مادے کا غلبہ ہے اور انسانیت کی فلاح ونجات مادہ پرستی سے نکل کر خدا پرستی کی جانب رجوع کرنا ہے، اس موقع پر ایک حدیث قدسی کا مفہوم بیان کرنا بہتر ہوگا، ''جب بندہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک گز قریب ہوجاتا ہوں اور جب وہ ایک گز قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوجاتا ہوں اور جب وہ چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف بڑھ کر آتا ہوں۔''

ضرورت اس بات کی ہے کہ اللہ کے نافذ کردہ احکامات واوامر کی بجا آوری میں سبقت کرنا چاہیے، اسی لیے تو صحابہ کرام نیکی کی طرف جلدی کیا کرتے تھے اور پھر مومن کا خاصا بھی ہے کہ وہ اوامر ونواہی کو اول وہلہ میں انجام دیتا ہے اور نیکی کے تمام کاموں میں سبقت کرتا ہے، اللہ کی جانب رجوع کرنے سے کبھی پیچھے نہیں ہٹتا، ظاہر ہے ہر بندہ کسی نہ کسی درجہ میں گناہ گار ہے اور اس سے نکلنے کی واحد وجہ صرف یہی ہے کہ اللہ واحد کی جانب رجوع کیا جائے۔

بقیہ: جانوروں کی زکوٰۃ

جس طرح بھینس اور گائے ایک جنس مانی جاتی ہیں اور ایک کو دوسرے سے ملا لیا جاتا ہے، اسی طرح بھیڑ اور بکری ایک جنس ہے اور ان کی تمام اقسام کو ملا کر حساب لگایا جاتا ہے اور زکوٰۃ اس جنس سے نکالی جاتی ہے جس کی تعداد زیادہ ہو اور اگر سب برابر ہوں تو جس جنس سے چاہے نکال سکتا ہے۔ (شامی:۲/۲۰)

وہ جانور جن پر زکوٰۃ نہیں ہے:

(۱) گھوڑوں پر مفتی بہ قول کے اعتبار سے زکوٰۃ نہیں ہے، الا یہ کہ تجارت کے لیے ہوں، تو سامان تجارت کے اعتبار سے ان پر زکوٰۃ ہوگی، چنانچہ متفق علیہ روایت میں اس کا ذکر صراحت سے ہے۔
(بخاری:۱۴۶۳، مسلم:۹۸۲)

(۲) یہی حکم گدھے خچر اور شکاری کتوں کا ہے۔

(۳) اگر جتائی یا سامان لادنے کے لیے جانور ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۴) سب جانور بچے ہوں تو زکوٰۃ واجب نہیں، ایک بھی مسنہ ان کے ساتھ ہو تو سب پر زکوٰۃ ہوگی۔ (ہندیہ:۱/۱۷۸)

ابو عبداللہ البتانی (Astronomer)

فلکیات کے شعبہ میں ابوعبداللہ محمد بن جابر بن سنان البتانی (Albategnius) کی خدمات اور دریافتیں بہت اہم ہیں، تاریخ اسلام میں کسی دوسرے ماہر فلکیات کا تذکرہ نہیں ملتا جو ستاروں کا مشاہدہ کرنے اور ان کی حرکات کو جانچنے میں اس مرتبہ کمال کو پہنچا ہو، فلپ کے ہٹی کے بقول ''البتانی ایک حقیقی محقق تھے۔'' "Al-Battani was an original research worker."

البتانی نے اپنے مشاہدات کا سلسلہ 877ء سے لے کر 918ء تک جاری رکھا، ان مشاہدات کی روشنی میں مشہور یونانی ہیئت داں بطلیموس کی غلطیوں کی نشاندہی کر کے ان کی تصحیح کی اور ان کے بتائے ہوئے غلط تخمینوں کی جگہ درست اور صحیح یا کم از کم آج کی تسلیم شدہ مقداروں سے بڑی حد تک قریب قیمتیں دریافت کیں:

"As a very skilled naked eye observer he refined the sets of solar, lunar and planetary motion data found in PTOLEMY's greatwork"

البتانی کا اعتراف مشرق ومغرب کے علماء صدیوں سے کرتے رہے، تاریخ اسلام میں کسی دوسرے ماہر فلکیات کا تذکرہ نہیں ملتا جو ستاروں کا مشاہدہ کرنے اور ان کی حرکات کے جانچنے میں اس مرتبہ کمال کو پہنچا ہو۔ ول ڈوران نے ان کے مشاہدات کی مہارت کا اعتراف ان بلند الفاظ میں کیا ہے: "Remarkable for their range and accuracy" (دُوررَسی اور دُرستی کے لحاظ سے غیر معمولی)۔

زہد وقناعت کی اعلیٰ مثال

محمد ارمغان بدایونی ندوی

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، آپ کا شمار عشرۂ مبشرہ میں ہوتا ہے، نبی اکرم ﷺ نے آپ کو ''امین الامۃ'' کا لقب عطا فرمایا ہے، حضرت ابوعبیدہؓ کو اسلام کے ان اولین حلقہ بگوشوں میں شمولیت کا شرف حاصل ہے، جنہوں نے سفر وحضر میں نبی کریم ﷺ کی صحبتوں سے زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کیا ہے، اس کا نتیجہ تھا کہ اتباع سنت کا جذبہ، خدا ترسی، زہد وتقویٰ، تواضع وانکسار، رحم دلی، ایثار ومواسات اور امانت داری ودیانت داری آپ کی حیات مبارکہ کے روشن ابواب ہیں۔

حضرت ابوعبیدہؓ ایک بہادر اور جانثار صحابی تھے، انہوں نے اکثر غزوات میں آپ ﷺ کے ساتھ شرکت کی اور انتہائی شوق وجذبہ کے ساتھ معرکے سر کیے، جنگ بدر میں والد کی محبت پر انہوں نے اسلام کی محبت کو ترجیح دی اور ذرا بھی نرم گوشہ اختیار کرنا گوارا نہ کیا، جنگ احد میں بھی آپ کی شجاعت قابل اسوہ ہے، جب آپؓ نے نبی ﷺ کی جبین مبارک سے دو تیر اپنے دانتوں کے ذریعہ کھینچ کر باہر نکالے تھے اور آپؓ کے سامنے کے دو دانت گر گئے تھے، حضرت ابوعبیدہؓ کو حبشہ اور مدینہ دونوں ہجرتوں کی سعادت بھی حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ دربار رسالت میں انہیں ایک ممتاز مقام حاصل تھا، صلح حدیبیہ کے موقع پر معاہدہ میں بطور گواہ جن سات کبار صحابہ کے دستخط لیے گئے، ان میں ایک اہم نام حضرت ابوعبیدہ کا بھی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد عہد صدیقی وفاروقی میں بھی حضرت ابوعبیدہؓ خاص اہمیت کے حامل تھے اور وہ حضرات شیخین کے معتمد علیہ معاون تھے، جنہوں نے انتہائی امانت ودیانت داری کے ساتھ اپنا فرض نبھایا، شام کی فتوحات میں ان کی بے مثال اور بے لوث خدمات تاریخ اسلام کا ایک سنہرا باب ہیں، مگر عبرت کی بات ہے کہ ایسی غیر معمولی نسبتوں اور اتنی بلند پایہ شخصیت ہونے کے باوجود جاہ طلب سیاسی کی بو انہیں چھو کر نہیں گذری تھی، بلکہ خاکساری اور تواضع کی انتہا یہ تھی کہ سپہ سالار اعظم بننے کے باوجود معمولی لباس اور رہن سہن پر ہی قانع تھے، ایک دفعہ ایک رومی قاصد ان کے یہاں حاضر ہوا، اس نے مسلمانوں کے امیر کو دریافت کیا، لوگوں نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا تو وہ محو حیرت رہ گیا کہ ایک ایسا شخص ایک بڑی سلطنت کا امیر کیسے ہوسکتا ہے، جو معمولی وضع قطع میں ہے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ فرش خاک پر بیٹھا تیروں کو الٹ پلٹ کر ہتھیاروں کا معائنہ کر رہا ہے۔

حضرت عمرؓ فاروق نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو دمشق کا گورنر مقرر کیا تھا، ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ملک شام کا دورہ ہوا تو حضرت ابوعبیدہؓ شہر کے آخری کنارے امیر المومنین کے استقبال کے لیے تشریف لائے، حضرت عمرؓ نے ان سے ان کے گھر (گورنر ہاؤس) چلنے کی بات کہی، جس پر حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا کہ میرے گھر میں سوائے رونے کے اور کچھ نہیں ہے، لیکن امیر المومنین کے اصرار پر گھر لے کر آئے، حضرت عمر بن خطابؓ نے جب امیر شام کے گھر کی حالت زار دیکھی تو بے ساختہ آنسو نکل گئے، ان کے گھر میں سوائے ایک ٹاٹ، ایک لوٹے، ایک مشکیزہ کے اور کچھ نہ تھا، یہ دل سوز منظر دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایسے عظیم کلمات ارشاد فرمائے جو تاریخ اسلام میں ہمیشہ زہد وقناعت کے بلند مینار سمجھے جائیں گے، انہوں نے فرمایا: ''غَيَّرَتْنَا الدُّنْيَا كُلَّنَا إِلَّا أَبَا عُبَيْدَةَ'' (دنیا نے ہم سب کو بدل ڈالا سوائے ابوعبیدہؓ کے)

تاریخ اسلام میں یہ اس امیر مملکت کا حال رقم ہے جس کے سامنے دنیا کی دولت کے ڈھیر لگے تھے، مگر اس نے ایک ایک حبہ کو خدا کی امانت سمجھ کر رفاہ عام میں خرچ کیا، درحقیقت یہی وہ جذبہ اور قناعت کا جوہر تھا جس نے انتہائی برق رفتاری کے ساتھ پورے عالم میں اسلام کے پھریرے لہرا دیے اور اسلامی سلطنت کسی دور میں بھی اقتصادی اعتبار سے دیوالیہ کا شکار نہیں ہوئی، اس کے برخلاف دنیاوی حکمرانوں کا حال ہے، جو محض اپنے داد عیش دینے کے لیے پورے ملک کو کنگال اور غلام بنا دیتے ہیں۔

تہذیب اسلامی کی عالمی تشکیل

محمد نفیس خاں ندوی

مذہب اسلام کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ اس کے عقائد کے جلو میں اس کی تہذیب بھی پروان چڑھتی ہے، چنانچہ رسول اللہ (ﷺ) نے جب ہمسایہ ممالک یعنی ایران، روم، مصر، یمن اور حبشہ کے بادشاہوں وسربراہوں کے نام خطوط روانہ کیے اور انھیں اسلام کی دعوت دی تو ان خطوط کے پہلو بہ پہلو اسلامی تہذیب نے بھی ان ملکوں میں دستک دی۔

تہذیب اسلامی کے اندر ایسے مؤثر عوامل تھے جو تیز رفتاری اور جامعیت کے ساتھ اس کی نشر واشاعت میں محرک ومعاون ثابت ہوئے، یہ تیز رفتاری پہاڑوں، وادیوں، صحراؤں اور ریگستانوں میں یکساں رہی، اسلام کی جامعیت نے کبھی گورے وکالے، عربی وعجمی، دیہاتی وشہری کی تفریق نہیں کی، اس کے نظام حکمرانی میں حق اور خیر کے وہ تمام عناصر جمع تھے جن کا انسانیت' اپنے آداب زندگی اور طرز بودوباش کے اختلاف کے باوجود تقاضا کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جتنی بھی تہذیبیں اسلام کے سایہ میں پہنچیں وہ اپنے مفید وکارآمد عناصر کے ساتھ نہ صرف پروان چڑھتی رہیں بلکہ اسلامی تہذیب کا حصہ بن گئیں۔

آپ (ﷺ) کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عہد خلافت (634-632ء) شروع ہوا، ابتدائی دوسال ان لوگوں سے جنگ میں گذرے جو اسلام کی جامعیت، اس کی ابدیت اور ایک مرکزی حکومت کے خلاف تھے، داخلی انتشار ومسائل کے تصفیہ کے بعد آپؓ نے شام اور عراق کی جانب لشکر روانہ کیے اور اسلام کا پرچم اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ سرزمین عرب سے باہر بھی لہرانے لگا۔

فتوحات کا جو سلسلہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں شروع ہوا' آپؓ کے جانشینوں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے اسے انتہائی عظمت تک پہنچادیا اور نصف صدی سے کمتر عرصہ میں ہی اسلام ایران اور افریقہ کے غالب ومقبول دین کے طور پر ابھر کر سامنے آیا۔

یہ وہ دور تھا جب اسلامی تہذیب کا دیگر تہذیبوں سے تصادم شروع ہوا، مسلمانوں کے پاس ایسے جوانمردوں کی کمی نہیں تھی جو راہ خدا میں اپنی جانوں کو نچھاور کردیں لیکن مفتوحہ سرزمین کا نظم ونسق سنبھالنے اور سیاسی ستونوں کو مضبوط کرنے کے لیے مطلوبہ فراست و ذکاوت، تدبر وتدبیر اور احوال اقوام سے واقفیت کی کمی تھی، چنانچہ مرکز اسلام پر مختلف تہذیبوں کا سخت ہجوم ہوا، مسلمان اپنی سادہ لوحی، فطری وطبعی مزاج اور انسانی اقدار کے ساتھ معاندین اسلام کی کذب بیانی، افتراء پروری، دسیسہ کاری اور دجل وفریب کو پوری طرح سمجھ نہ سکے اور انجام کار عالم اسلام داخلی انتشار وخانہ جنگی کا شکار ہوگیا اور فتوحات کا سلسلہ عارضی طور پر موقوف ہوگیا۔

مرکز اسلام پر مختلف تہذیبوں کا یہ حملہ اس قدر سخت اور متنوع تھا کہ جلیل القدر صحابہ بھی اس کی سنگینی وتباہی کو پوری طرح سمجھ نہ سکے، شاید فیصلہ خداوندی نے ایسے ہی پیچیدہ ویورش زدہ حالات سے نپٹنے کے لیے حضرت علی مرتضیٰ (کرم اللہ وجہہ) کی جلیل القدر شخصیت کو تیار کر رکھا تھا، چنانچہ آپؓ کی غیر معمولی فراست، عدیم المثال جرأت اور بے نظیر سیاسی بصیرت نے سبھی فتنوں کا سر اس سختی سے کچل دیا کہ مرکز اسلام کا سیاسی مطلع ایک بار پھر صاف وشفاف نظر آنے لگا، فتنوں کے اس مختصر سے دور میں مسلمانوں کو خاصہ جانی ومالی نقصان بھی اٹھانا پڑا لیکن تہذیب اسلامی کی عالمی تشکیل میں یہ فتنے بہت کچھ سامان درس بھی دے گئے، کمزور پہلوؤں کی نشاندہی ہوگئی، دیگر تہذیبوں کی خوبیاں وخامیاں اور ان کے ردوقبول کی شکلیں سامنے آگئیں، عرب وعجم کے مزاج کا اختلاف ظاہر ہوگیا اور سب

سے بڑھ کر فتنوں کے ہجوم میں اسلامی لائحۂ عمل متعین ہوگیا اور یہ سب ایک ایسی عظیم قیادت کی رہنمائی میں ہوا جس سے بڑھ کر مسلمانوں کے پاس کوئی شخصیت نہیں تھی۔

مسلمانوں نے نئے سرے سے اپنا محاسبہ کیا، نفع ونقصان کا جائزہ لیا، کمیوں کو دور کیا، تیاریاں مضبوط کیں اور پھر ایک تازہ دم و تازہ قوم کی طرح نئے جوش وخروش کے ساتھ آگے بڑھنا شروع کیا اور فتوحات کا سلسلہ ایک بار پھر چل پڑا۔

بنوعباس کے دور وسط میں اسلام تین براعظموں افریقہ، ایشیا اور یورپ تک پھیل گیا، اس دورانیہ میں دین اسلام کی جغرافیائی سرحدیں مشرق میں موجودہ چین کی سرحد تک، مغرب میں موجودہ مراکش تک جو اُس زمانہ میں مغربی افریقہ کی آخری آبادی تھی، شمال میں تمام ماوراء النہر کا علاقہ اور جنوبی سائبریا، ایشیا صغیر کا وسیع حصہ، بحیرۂ روم کا تمام مشرقی ساحل اور پیرنیز (Pyrenees) کی پہاڑیاں جو اسپین اور فرانس میں حد فاصل ہیں اور جنوب میں مجمع الجزائر یعنی جنوبی شرقی ایشیا، جزیرہ جافنا جو سری لنکا میں ہے اور صحرائے افریقہ کے جنوب تک پھیل گئی تھیں۔

مشہور سوشلسٹ لیڈر ایم این رائے (M.N.Roy) لکھتا ہے:

"The first Khalifs of Damascus reigned an empire which could not be crossed in less than five months on the fleetest camel.....The Roman Empire of Augusts, as later enlarged by the valiant Trajan, was the result of great and glorious victories, won over period of seven hundred years. Still, it had not attained the proportions of the Arabian Empire established in less than a century. The Empire of Alexander represented but a fraction of the vast domain of khalifs. For nearly thousand years, the Persian Empire resisted the arms of Rome, only to be subdued by the "Sword of God" in less than a decade."

(دمشق کے خلفاء ایسی عظیم الشان مملکت کے فرمانروا تھے جس کی مسافت کو تیز تر اونٹ پر بھی پانچ ماہ سے کم میں طے نہیں کیا جاسکتا تھا، روم کی زبردست شہنشاہیت جسے اس کے ہیرو ٹراجان نے وسیع کرلیا تھا صدیوں کی زبردست فتوحات کے بعد قائم ہوسکی تھی پھر بھی وہ اس عربی سلطنت کے برابر نہ تھی جو ایک صدی سے کم مدت میں قائم ہوچکی تھی، سکندر اعظم کی سلطنت اپنی وسعت اور ہمہ گیری کے باوجود خلفاء کی وسیع سلطنت کا صرف ایک حصہ تھی، ایرانی حکومت تقریباً ایک ہزار سال تک روم کا مقابلہ کرتی رہی لیکن یہ عظیم الشان سلطنت ''سیف اللہ'' کے ہاتھوں صرف چند سالوں میں مغلوب ہوگئی)

یہ وسیع وعریض سرزمین باہم برسرپیکار اقوام وگوناگوں تہذیبوں کی حامل تھی، اسلام کی آمد نے ان کے مابین الفت ویگانگی پیدا کی، ان کی تہذیبی کشاکش کو دور کیا، مفید عناصر کو پروان چڑھایا اور پھر اسلامی تہذیب کو اس طور پر فروغ حاصل ہوا کہ وہ مختلف افکار و نظریات، متعدد ثقافتوں اور متفرق زبانوں کی مرکز اتصال بن گئی۔

تہذیب اسلامی کے فروغ میں ایک بنیادی عنصر اسلام کا دین فطرت اور انسانی طبائع کے موافق ہونا بھی ہے، اس میں نہ کوئی لوچ ہے اور نہ کسی طرح کی بے بسی، بلکہ اس کے اندر انسان کے مختلف احوال وکیفیات کے تقاضوں کو پورا کرنے کی بھرپور صلاحیت ہے، اسی لیے اس کو قبول کرنا انتہائی سہل وآسان ہے، چنانچہ انسانی زندگی کا کوئی ایسا پہلو یا فطرت انسانی کا کوئی ایسا تقاضا نہیں جس کی تکمیل اسلام نے اپنی لافانی تعلیمات کے ذریعہ نہ کی ہو۔

تاریخ کی اس تابناک حقیقت کے بعد یہ بھی اعتراف ناگزیر ہے کہ عروج کی بلندیوں تک پہنچنے کے بعد یہ عالمگیر تہذیب اپنی تمامتر خوبیوں کے ہوتے ہوئے زوال کا شکار ہوئی، زندگی کے ہر میدان میں انسانیت کی مسیحائی کے دعووں کے باجود ملکوں اور قوموں نے نہ صرف اس کو نظر انداز کیا، بلکہ اس کی حقانیت وابدیت پر بھی سوال کھڑے کیے اور آج تاریخ کی سب سے بڑی حکومت نہ صرف اپنے وجود کو سہارنے میں مصروف ہے بلکہ دیگر ملکی وعالمی تہذیبوں کے ساتھ کشاکش میں بھی مبتلا ہے۔

اسباب عروج وزوال کے ادراک کی ساری کوششیں آج بھی تشنہ ہیں اور شاید یہی تشنگی مسلمانوں کے موجودہ زوال کی ایک وجہ ہے۔

اصلاحی خطبات

جھوٹ کی مروجہ صورتیں

جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

''جھوٹ بولنا حرام ہے، ایسا حرام ہے کہ کوئی ملت، کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں جھوٹ بولنا حرام نہ ہو، یہاں تک کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بھی جھوٹ بولنے کو برا سمجھتے تھے، افسوس کہ اب اس جھوٹ میں عام ابتلا ہے، یہاں تک کہ جو لوگ حرام وحلال اور جائز ناجائز کا اور شریعت پر چلنے کا اہتمام کرتے ہیں، ان میں بھی یہ بات نظر آتی ہے کہ انہوں نے بھی جھوٹ کی بہت سی قسموں کو جھوٹ سے خارج سمجھ رکھا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ گویا یہ جھوٹ ہی نہیں ہے، حالانکہ جھوٹا کام کر رہے ہیں، غلط بیانی کر رہے ہیں اور اس میں دوہرا جرم ہے، ایک جھوٹ بولنے کا جرم اور دوسرے اس گناہ کو گناہ نہ سمجھنے کا جرم۔

آج کل اس کا عام رواج ہو گیا ہے، اچھے خاصے دین دار اور پڑھے لکھے لوگ بھی اس میں مبتلا ہیں کہ جھوٹے سرٹیفکیٹ حاصل کرتے ہیں، یاد رکھئے یہ سرٹیفکیٹ اور یہ تصدیق نامہ شرعاً ایک گواہی ہے اور جو شخص اس سرٹیفکیٹ پر دستخط کر رہا ہے، وہ حقیقت میں گواہی دے رہا ہے اور گواہی دینا اس وقت جائز ہے جب آدمی کو اس بات کا علم ہو اور یقین سے جانتا ہو کہ یہ واقع میں ایسا ہے، تب انسان گواہی دے سکتا ہے، اس کے بغیر انسان گواہی نہیں دے سکتا۔

آج کل تو جھوٹ کا ایسا بازار گرم ہوا کہ کوئی شخص دوسری جگہ جھوٹ بولے یا نہ بولے، لیکن عدالت میں ضرور جھوٹ بولے گا، بعض لوگوں کو یہاں تک کہتے ہوئے سنا کہ ''میاں! سچی سچی بات کہہ دو، کوئی عدالت میں تھوڑی کھڑے ہو'' حالانکہ عدالت میں جا کر جھوٹی گواہی دینے کو حضور اقدس ﷺ نے شرک کے برابر قرار دیا ہے۔

بھائی! ہمارے معاشرہ میں جو جھوٹ کی وبا پھیل گئی ہے، اس میں اچھے خاصے دین دار، پڑھے لکھے، نمازی، بزرگوں سے تعلق رکھنے والے، وظائف اور تسبیح پڑھنے والے بھی مبتلا ہیں، وہ بھی اس کو ناجائز اور برا نہیں سمجھتے کہ یہ کوئی گناہ ہوگا، حالانکہ حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ "إذا حدث كذب" اس میں یہ سب باتیں بھی داخل ہیں اور یہ سب دین کا حصہ ہیں اور ان کو دین سے خارج سمجھنا بدترین گمراہی ہے، اس لیے ان سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

البتہ بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے جھوٹ کی بھی اجازت دے دی ہے، لیکن وہ مواقع ایسے ہیں کہ جہاں انسان اپنی جان بچانے کے لیے جھوٹ بولنے پر مجبور ہو جائے اور جان بچانے کے لیے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو، اس صورت میں شریعت نے جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے۔''

(۳/۱۳۹-۱۴۹)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 13 ⚜ December 2021 ⚜ Issue: 12

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9565271812
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)